یورپی ممالک کے بچوں کے ادب سے منتخب

دلچسپ و انوکھی کہانیاں

انتخاب و ترجمہ:

نصر ملک

© Daud Nasar Malik – Denmark
All rights reserved

No part of this "on-line" publication may be reproduced in any form by any means, electronic or
Any information storage & retrieval system without the permission in writing from the publisher.

© جملہ حقوق محفوظ ہیں

اِس "آن لائن" اشاعت کے کسی بھی حصے کو کسی بھی شکل میں یا کسی بھی ذریعے، برقی یا میکانکی، بشمول معلومات محفوظ کرنے اور دوبارہ حاصل کرنے والے نظام سے، ناشر کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر شائع کرنا ممنوع ہے۔

یورپی ممالک کے بچوں کے ادب سے منتخب

دلچسپ وانوکھی کہانیاں

انتخاب و ترجمہ:

نصر ملک

ناشر:

Aim Publications
4th Floor. # 1, Din Plaza
GT Road, Gujranwala. Pakistan

فہرست

❖ انتساب / پیش لفظ

- آئرلینڈ:
- سرخ گلاب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱
- البانیہ:
- عقاب کی داستان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵
- برطانیہ:
- مینڈک شہزادہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۹
- بلغاریہ:
- سنہری مچھلی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۷
- پولینڈ:
- دفن شدہ آدمی کی روح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰
- جرمنی:
- رقاصہ شہزادیاں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۹
- چیکوسلواکیہ:
- قصّہ دو گھوڑوں کا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸
- ڈنمارک:
- بُلبُل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴
- رومانیہ:
- ناشکرا لکڑہارا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۲
- سکاٹ لینڈ:
- لڑکی اور کتابیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۸
- سویڈن:
- آدمی جس نے ڈر کی جستجو کی ۔۔۔۔۔۔۔ ۷۴
- فرانس:

- **سویڈن:**
- آدمی جس نے ڈر کی جستجو کی ۔۔۔۔۔۔۔ ۷۴
- **فرانس:**
- میرا سایہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۵
- **فن لینڈ:**
- چوہیا شہزادی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۷
- **ناروے:**
- گڈریئے کے روپ میں لومڑی ۔۔۔۔۔۔ ۱۰۰
- **ہالینڈ:**
- مِس کوّا اور مسٹر لومڑ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۴
- **ہنگری:**
- کیا تم ناراض ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۷

انتساب

عالمی گاؤں کے

کثیر الثقافتی

بچوں کے نام

پیش لفظ

یورپی ممالک کے بچوں کے ادب سے منتخب، بچوں اور نوجوانوں کے لیے زیر نظر مجموعے "دلچسپ اور انوکھی کہانیاں" میں شامل کہانیوں کی دنیا بڑی نرالی، جادوئی اور بہت پُر کشش ہے۔ یہ کہانیاں جانوروں، انسانوں اور تصوراتی مخلوق کے متعلق جو کچھ بھی بتاتی ہیں، اُس سے قدیم و عصری یورپی تصوراتی و طلسماتی اُس ماحول و فضا کی خوشبو آتی ہے جو تھوڑے بہت فرق کے ساتھ کم و بیش ایک ہی طرح کی ہے۔ اور جو ظاہر کرتی ہے کہ اصل میں ہم انسان بنیادی طور پر ایک ہی طرح کے ہیں بیشک ہماری بود و باش اور لباس یہاں تک کہ ہماری جلد کا رنگ مختلف ہے، ہم انسان کہیں کے بھی رہنے والے ہوں، ہم ایک ہی تو ہیں۔

اِس مجموعے میں شامل کہانیاں محض تفریح طبع کے لیے نہیں بلکہ اس لیے بھی اہم ہیں کہ بچے اور نوجوان اِن سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں ۔ اور اِن

کہانیوں کا مطالعہ انہیں دوسری ثقافتوں کو سمجھنے اور انہیں نئی دنیاؤں سے متعارف کرانے کا ایک طاقتور ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

یورپی ممالک کے بچوں کے ادب سے منتخب کہانیوں پر مشتمل زیر نظر مجموعے کی اشاعت کا بنیادی مقصد اُردو پڑھنے والے بچوں و نوجوانوں کو یورپی بچوں کے ادب سے روشناس کرانا اور اُن میں شوق مطالعہ اور تجسس و جستجو پیدا کرتے ہوئے اُنہیں " اپنی دنیا آپ "تعمیر کرنے کی ترغیب دینا اور یوں اُن کی اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھارنا ہے، تاکہ وہ مستقبل میں اُس عالمی گاؤں کا ایک مضبوط حصہ بن سکیں جو مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور معاشروں پر مشتمل ہونے کے باوجود ایک بڑی مضبوط قدر مشترک رکھتا ہے جو ثابت کرتی ہے کہ اِن تہذیبوں اور ثقافتوں کے معمار" انسان" ہی ہیں۔

مطالعے سے بچے اپنے لیے خود راہیں نکال کر زندگی کو بہتر بنانے کے لیے سوچ و فکر پیدا کر سکتے ہیں۔اور یہی وجہ ہے

کہ بچوں میں پڑھنے کے لیے پائی جانے والی محبت کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیئے۔

مجھے امید ہے کہ میری یہ کاوش پسند کی جائے گی اور نہ صرف بچے و نوجوان بلکہ بالغ لوگ بھی اِن کہانیوں کو پڑھ کر لطف اندوز ہوں گے۔

نصر ملک

سابق ایڈیٹر

اُردو سروس

ڈینش براڈکاسٹنگ کارپوریشن (ڈنمارک ریڈیو)

کوپن ہیگن / ڈنمارک

آئرلینڈ

سُرخ گلاب

ترجمہ: نصر ملک

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پرانے مکان کے اندر سرخ گلاب کی ایک چھوٹی سی جھاڑی تھی۔ وہ اکیلی ہی تھی اور اُس کا کوئی جاننے والا بھی نہیں تھا۔ ایک دن وہ چُپ چاپ خاموش بیٹھی تھی، بالکل اپنے آپ میں، بہت ہی اداس۔ ویسے بھی پرانے مکان میں بالکل خاموشی ہی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک اُس نے، ایک ہلکی سی آواز سُنی، ٹپ، ٹپ، ٹپ، کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔

"کون ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"میں بارش ہوں اور، میں اندر آنا چاہتی ہوں۔" ایک پیاری سے ہلکی

آواز آئی۔

نہیں، تم اندر نہیں آسکتی ہو۔'' گلاب جھاڑی نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے پھر ایک آواز سنی، ٹپ، ٹپ، ٹپ، ٹپ ۔اب یہ آواز کھڑکی کے چھجّے سے آرہی تھی۔

''وہاں کون ہے؟'' گلاب جھاڑی نے پوچھا۔

وہی پیاری سی، ہلکی مدھم آواز دوبارہ سنائی دی ''میں بارش ہوں اور، میں اندر آنا چاہتی ہوں!''

'' نہیں تم یہاں اندر نہیں آ سکتی ہو!'' گلاب جھاڑی نے جواب دیا۔

اب کافی دیر تک وہی خاموشی تھی اور گلاب جھاڑی اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔اور پھر اچانک کچھ سرسراہٹ سی پیدا ہوئی اور اُسے کسی سرگوشی کی آواز سنائی دی، صر صر، صرصر، صرصر

''یہ کون ہے؟'' اُس نے پوچھا۔

'' میں دُھوپ ہوں۔'' ایک بہت ہی سریلی و میٹھی آواز آئی۔ ''میں تمھارے پاس اندر آنا چاہتی ہوں۔''

''او، نا، نہیں، تم اندر نہیں آسکتی ہو!'' گلاب جھاڑی نے جواب دیا اور جہاں تھی وہیں سکڑ کر بیٹھی رہی۔

سرخ گلاب کی ننھی جھاڑی کو یوں بیٹھے کافی وقت گذر گیا تھا کہ اُسے سرسرانے اور

سرگوشیاں کرنے کی آواز آئی، ''ٹپ، ٹپ، ٹپ'' اور پھر ہلکی سی دل آویز سرسراہٹ اور پھر سرگوشیاں، '' ٹپ، ٹپ، صرصر، ٹپ، ٹپ ۔''

'' یہ کون ہے؟'' گلاب جھاڑی نے پوچھا۔

'' ہم سورج اور بارش ہیں۔'' دو بڑی ہی ہلکی اور پیاری آوازیں سنائی دیں۔

'' ہم بارش اور سورج ہیں اور ہم اندر آنا چاہتے ہیں۔''

''اگر یہ تم دونوں ہو تو پھر میرے خیال میں مجھے تمھارے لیے دروازہ کھولنا ہی پڑے گا۔'' گلاب جھاڑی بولی۔اور اب اُس نے اٹھ کر اُن دونوں کے لیے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی وہ دونوں جھٹ سے اندر آ گئیں اور بڑی تعظیم سے گلاب جھاڑی کو سلام کیا۔ اور پھر بارش نے اس کا ایک ہاتھ اپنے چھوٹے سے ہاتھ میں لے لیا اور سورج نے اُس کا دوسرا ہاتھ تھام لیا اور پھر وہ دونوں اُسے اُٹھا کر بھاگ نکلے، پھر وہ بھاگتے بھاگتے اُسے زمین کی بلند ترین اُونچائی پر لے گئے اور اسے ایک جگہ رکھ کر بولے ''اپنا سر بلند کرو!''

سرخ گلاب کی جھاڑی نے اپنا سر بلند کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ ایک بے حد خوبصورت باغ کے عین درمیان میں تھی۔ یہ بہار کا موسم تھا اور باغ میں سبھی پھولوں کے سر بلند تھے اور وہ جھوم رہے تھے۔

گلاب جھاڑی کا سر اب اور بھی بلند ہو گیا تھا اور بیشک وہ باغ کے سارے پھولوں

میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی اور اُس کی خوشبو چاروں طرف مہک رہی تھی۔

البانیہ

عقاب کی داستان

ترجمہ: نصر ملک

بہت ہی پرانا قصہ ہے۔ ایک نوجوان پہاڑوں میں شکار پر نکلا ہوا تھا۔ اُس کے اوپر ہوا میں ایک بہت بڑا عقاب اُڑ رہا تھا۔ اُس نے اپنے پنجوں میں ایک بہت بڑا سانپ پکڑ رکھا تھا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ عقاب ایک پہاڑی کی چوٹی پر جا بیٹھا۔ شکاری نوجوان کی نظر بھی عقاب ہی پر تھی۔ اُس نے اتنا بڑا جنگلی عقاب پہلے نہیں دیکھا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد عقاب نے اپنے پر پھیلائے، اور جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا وہاں سے ہوا میں اُڑ گیا۔ اب اُس کے پنجوں میں وہ لمبا بڑا سانپ نہیں تھا۔

اب نوجوان شکاری اُسی پہاڑی کی چوٹی پر جا نکلا جہاں سے عقاب نے اُڑان

پکڑی تھی۔نوجوان کو وہاں ایک گھونسلہ دکھائی دیا۔اس نے سوچا کہ یہ عقاب ہی کا گھونسلہ ہو سکتا ہے۔ یہ سوچتے ہی اُس نے جب گھونسلے کے اندر جھانکا تو اُسے وہاں عقاب کا ایک بچہ دکھائی دیا جو ایک مردہ سانپ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔کبھی وہ اسے چونچیں مارتا تو کبھی اس کی دُم اپنے منہ میں لے کر اُسے کھینچنے کی کوشش کرتا۔ لیکن نوجوان نے دیکھا کہ سانپ پوری طرح مرا ہوا نہیں تھا۔ اچانک سانپ میں حرکت پیدا ہوئی، اُس نے اپنا سر اُٹھایا اور پھن پھیلا کر ننھے عقاب بچے کو کاٹنے کے لیے حملہ کرنے ہی والا تھا کہ شکاری نوجوان نے سانپ کا نشانہ لے کر، اپنی تیر کمان سے ایک تیر چلایا جو سیدھا سانپ کے پھن کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا۔ سانپ مر چکا تھا اور بے حس و حرکت زمین پر پڑا ہوا تھا۔ ننھے عقاب کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ بس ایک لمحہ بھر پہلے کیا ہو چکا تھا۔وہ اسی طرح سانپ کے ساتھ کھیلنے لگا تھا جیسے پہلے کھیل رہا تھا۔ لیکن اب نوجوان نے آگے بڑھ کر بڑی احتیاط کے ساتھ عقاب کے بچے کو پکڑ کر اُٹھایا اور اسے اپنے شکاری تھیلے میں ڈال کر گھر کی جانب چل دیا۔ راہ میں اچانک اُسے اپنے اوپر، کسی کے غمناک آہ و زاری کرنے اور کسی بڑے عقاب کے پَروں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں سنائی دیں۔

''تم نے میرے بچے کو اغوا کیوں کیا ہے؟'' بڑے عقاب نے نوجوان سے فریاد کی۔

''یہ بچہ میرا ہے کیونکہ میں نے اسے اُس سانپ سے بچایا ہے جسے تم نے مارا نہیں تھا اور ویسے ہی بچے کو اس کے ساتھ کھیلنے کے لیے دے دیا تھا'' نوجوان نے جواب دیا۔

''تم میرا بچہ مجھے واپس کردو!'' عقاب بولا۔ '' میں اس کے عوض تمھیں اپنی آنکھوں کی تیز تر بصارت اور اپنے پَروں کی عظیم قوت دوں گا''۔ عقاب نے کہا۔ ''تم یہ دونوں چیزیں پا کر اتنے طاقتور ہو جاؤ گے کہ تمھیں کوئی کبھی بھی شکست نہیں دے سکے گا۔ اور تمھیں لوگ میرے نام سے پکاریں گے یعنی کہ ''عقاب!'' ہاں پھر یہی تمھارا نام ہو جائے گا۔''

شکاری نوجوان نے بچہ عقاب، بڑے عقاب کے حوالے کر دیا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

اب جب بچہ عقاب بڑا ہو گیا اور بڑے عقاب کی طرح اُڑنے لگا تو وہ ہر وقت اُس نوجوان شکاری کے اوپر ہوا میں اُڑتا رہتا جس نے سانپ سے اُس کو بچایا تھا۔ یہ شکاری بھی اب پوری طرح جوان ہو کر ایک مرد بن چکا تھا۔ اور اب اپنے تیروں اور تلوار سے بیشمار جنگلی جانوروں کو شکار کر چکا تھا۔ اور اپنے ملک کے کئی دشمنوں کو ہلاک کر چکا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ یہ نوجوان جب بھی کہیں شکار پر ہوتا یا ملک کے لیے کسی جنگی معرکے میں شامل ہوتا، عقاب اس کے اوپر سایہ کیے رکھتا اور بڑی وفاداری و خلوص کے ساتھ ان معرکوں میں اُس کی رہنمائی بھی کرتا۔ کسی بھی معرکے میں، اُسے اب تک کوئی بھی شکست نہیں دے سکا تھا اور اُس نے جنگل میں جب بھی کسی جانور کو شکار کرنا چاہا وہ اُس کے تیر سے بچ کر نہیں جا سکا تھا۔

اب اس نوجوان شکاری کی شہرت و جوانمردی کے قصے کہانیاں ملک بھر کے طول و

عرض میں پھیل چکے تھے اور ہر کسی کا خیال تھا کہ اُس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت ہی نہیں سکتی۔ اور وہ نا قابل شکست ہے۔

اِس نوجوان کی ان خوبیوں کی ہی وجہ سے سبھی لوگ نے اُسے ''البانیہ'' کا خطاب دے دیا تھا، ''البانیہ! یعنی عقاب کا بیٹا!!'' اور اُسے اپنا بادشاہ چن لیا تھا ۔انہوں نے اپنے ملک کو بھی اُس کے اسی خطاب کی نسبت سے ''البانیہ'' کا نام دے دیا تھا، ''البانیہ! یعنی عقابوں کا دیس!!''

برطانیہ

(یہ کہانی دیگر یورپی زبانوں میں بھی ہے اور کئی ملک اسے اپنے ہاں کی قرار دیتے ہیں)

مینڈک شہزادہ

ترجمہ: نصر ملک

ایک سہانی شام، ایک نوجوان شہزادی نے اپنے موزے اور بوٹ پہنے، اور اکیلی ہی جنگل کی سیر کو چل پڑی۔ ایک جگہ جب وہ ٹھنڈے پانی کے ایک چشمے پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ وہاں پانی میں گلاب کا ایک پھول تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے وہاں سستانے کو بیٹھ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں سونے کی ایک گیند تھی ۔ وہ اس سے بہت پیار کرتی اور اس کے ساتھ کھیلتی رہتی تھی۔ وہ اسے ہوا میں اچھالتی اور جب وہ نیچے آنے لگتی تو وہ اچھل کر اسے

ہاتھوں میں پکڑ لیتی۔ اُسے یوں کھیلنے میں بڑا لطف آتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے اپنی گیند کو ہوا میں اتنا اونچا اچھالا کہ جب وہ نیچے گرنے لگی تو وہ اسے پکڑ نہ سکی۔ گیند زمین پر گرتے ہی اچھلتی ہوئی چشمے میں جا گری۔ شہزادی نے گیند کو چشمے میں تلاش کرنا چاہا لیکن چشمہ بہت گہرا تھا، اتنا گہرا کہ وہ اسکی گہرائی میں دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ اُس نے رونا شروع کر دیا۔ ''اے کاش! اگر مجھے میری گیند دوبارہ مل جائے تو میں اپنے سب خوبصورت زیور، کپڑے اور دینا میں جو کچھ بھی میرے پاس ہے، میں دے دُوں گی۔'' وہ بولی۔

جب وہ بول رہی تھی تو ایک مینڈک نے اپنا سر پانی سے باہر نکالا اور اُسے متوجہ کرتے ہوئے بولا ''شہزادی، تم اتنی شدت سے کیوں رو رہی ہو؟''

''او!، گندے مینڈک تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟ تم کیا جانو میں کیوں رو رہی ہوں!''

''میں تمھارے قیمتی موتیوں کا ہار نہیں لینا چاہتا اور نہ ہی میں تمھارا قیمتی زیور اور اعلیٰ کپڑے چاہتا ہوں لیکن، اگر تم مجھے پیار کرو، اور مجھے اپنے ساتھ پیار کرنے اور کھیلنے دو اور، اپنی سونے کی پلیٹ سے کھانا کھانے دو اور اپنے بستر پر سونے دو تو میں تمھاری گیند تمھیں لا کر دے سکتا ہوں۔'' مینڈک بولا۔

'' بکواس!'' شہزادی نے سوچا۔ ''پاگل مینڈک بکواس کر رہا ہے! ہو سکتا ہے وہ میری گیند مجھے لا ہی دے لیکن میرے ہاں آنے کے لیے تو وہ چشمے سے کبھی باہر ہی نہیں

نکل سکتا، چلو میں اسے آزماتی ہوں۔'' یہ سوچ کر شہزادی مینڈک سے بولی، '' مجھے منظور ہے، اگر تم میری گیند مجھے واپس لا دو گے تو میں وہ سب کچھ کروں گی جو تم نے کہا تھا۔''

تب مینڈک نے اپنا سر پانی کے اندر کر لیا اور ایک گہرا غوطہ لگا کر پانی کے نیچے، بہت نیچے تہہ تک جا پہنچا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ دوبارہ پانی کی سطح پر اُبھر آیا، اُس نے گیند اپنے منہ میں دبا رکھی تھی، جسے اُس نے اب چشمے کے کنارے پر پھینک دیا تھا۔

جونہی نوجوان شہزادی نے اپنی گیند دیکھی، وہ اسے پکڑنے کے لیے جلدی سے آگے بڑھی۔ وہ گیند کو اپنے ہاتھوں میں پا کر خوشی سے اچھل رہی تھی۔ اُسے مینڈک بھول ہی گیا تھا۔ وہ گیند لے کر بڑی تیزی کے ساتھ اپنے گھر کی جانب بھاگ گئی۔

مینڈک نے اُسے پیچھے سے آوازیں دیں ۔ ''ارے او شہزادی، رکو! تم نے وعدہ کیا تھا، اب مجھے تو ساتھ لیتی چلو۔''

شہزادی بھاگتی ہی جا رہی تھی اور اُس نے مینڈک کی ایک بھی نہیں سنی تھی۔

اگلے دن شہزادی جب رات کا کھانا کھانے بیٹھی تو اس نے کچھ عجیب سے شور کی آواز سنی، تھپ تھپ، تھپ تھپ، تھپ، یہ ایسی آواز تھی جیسے کوئی مَرمَر کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہو ، اب کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور اِس کے ساتھ ہی شہزادی کو ایک بڑی پیاری سی آواز سنائی دی:

''دروازہ کھولو، میری پیاری شہزادی،
سچی محبت کے لیے، دروازہ کھولو،
یاد کرو، جو کچھ تم نے اور میں کہا تھا،
اُس ٹھنڈے چشمے کے کنارے، گھنے درختوں کے سائے میں۔''

شہزادی نے آگے بڑھ کر جلدی سے جونہی دروازہ کھولا تو اسے وہاں وہی مینڈک دکھائی دیا جسے وہ بلکل بھول چکی تھی۔ اس موقع پر وہ سخت ڈر گئی تھی اور وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے بھاگ کر اپنی جگہ پر واپس جا بیٹھی تھی۔

بادشاہ، شہزادی کا باپ دیکھ رہا تھا کہ شہزادی بہت ہی ڈری ہوئی تھی۔ اُس نے شہزادی سے پوچھا کہ کیا ہوا۔

'' وہاں دروازے پر ایک گندا مینڈک ہے، اُس نے چشمے میں گری ہوئی میری پیاری گیند مجھے نکال کر دی تھی۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ وہ یہاں میرے ساتھ رہ سکتا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ چشمے سے کبھی باہر ہی نہیں نکل سکے گا لیکن اب وہ یہاں دروازے تک آ گیا ہے اور وہ اندر آنا چاہتا ہے۔''

شہزادی جب اپنے باپ بادشاہ کو یہ سب کچھ بتا رہی تھی، مینڈک نے پھر دروازے پر دستک دی اور بولا:

''دروازہ کھولو، میری پیاری شہزادی،
سچی محبت کے لیے، دروازہ کھولو،
یاد کرو، جو کچھ تم نے اور میں نے کہا تھا،
اُس ٹھنڈے چشمے کے کنارے، گھنے درختوں کے سائے میں۔''

بادشاہ نے بھی جب یہ آواز سنی تو شہزادی سے بولا کہ تم نے جو وعدہ کیا تھا اُسے اب پورا کرنا چاہیئے، لہٰذا جاؤ اور اُس مینڈک کو اندر لے آؤ۔

شہزادی نے ایسا ہی کیا اور مینڈک اچھل کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ تھپ تھپ، تھپ تھپ، تھپ ۔۔۔۔ وہ کمرے میں چھلانگیں لگاتے ہوئے اُس میز کے پاس جا پہنچا جہاں شہزادی بیٹھی ہوئی تھی۔

'' مہربانی کر کے مجھے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دو۔'' اُس نے شہزادی سے کہا۔ ''مجھے اپنے قریب، سامنے بیٹھنے دو۔''

شہزادی نے جونہی اسے اپنے قریب بٹھایا، مینڈک بولا:

''اپنی پلیٹ میرے سامنے رکھو، تا کہ میں اس میں سے کھا سکوں۔''

مینڈک نے جب پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا تو بولا:

''اب میں تھک گیا ہوں، مہربانی کر کے مجھے اٹھاؤ اور اوپری منزل میں مجھے اپنے بستر پر لٹا دو۔''

شہزادی نے ایسا نہ کرنے کی خواہش کے باوجود مینڈک کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھایا

اور اپنے بستر کے تکیے پر بٹھا دیا جہاں وہ رات بھر سوتا رہا۔

صبح سویرے جب کچھ روشنی ہوئی تو مینڈک جاگا اور اچھل اچھل کر سیڑھیوں پھلانگتا ہوا، گھر سے باہر چلا گیا۔

اب شہزادی نے سوچا کہ مینڈک چلا گیا ہے اور اب اُسے مزید کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور اطمینان سے رہ سکے گی۔

لیکن یہ شہزادی کا محض خیال تھا کیونکہ جب رات ہوئی تو اسے دروازے پر پھر وہی تھپ تھپ، تھپ تھپ کی آواز سنائی دی۔ یہ وہی منڈک تھا جو کہہ رہا تھا:

''دروازہ کھولو، میری پیاری شہزادی،
سچی محبت کے لیے، دروازہ کھولو،
یاد کرو، جو کچھ تم نے اور میں نے کہا تھا،
اُس ٹھنڈے چشمے کے کنارے، گھنے درختوں کے سائے میں۔''

اب جب شہزادی نے دروازہ کھولا تو مینڈک چھلانگ لگا کر اندر آ گیا اور سیدھا اُس کے بستر پر جا کر، تکیے پر سو گیا۔ وہ صبح تک وہیں سوتا رہا۔ اب تیسری رات بھی مینڈک نے ایسا ہی کیا۔ لیکن جب اگلی صبح شہزادی کی آنکھ کھلی تو وہ یہ دیکھ حیران رہ گئی کہ اُس کے کمرے میں مینڈک کی بجائے اُس کے سامنے ایک بہت ہی خوبصورت نوجوان شہزادہ کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھیں اتنی چمکیلی اور خوبصورت تھیں کہ انہیں دیکھ کر شہزادی کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

شہزادی کی حیرانگی اور گھبراہٹ کو محسوس کرتے ہوئے، شہزادے نے اُسے سلام کیا اور بولا:

"تم نے مجھ پر کیے گئے جادو کے اثر کو ختم کر دیا ہے، اب مجھے مزید کسی شے کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ تم سے میری ایک گزارش ہے کہ تم میرے ساتھ میرے باپ کی سلطنت میں چلو جہاں پہنچ کر میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور زندگی بھر تمھارے ساتھ رہنا اور تمھیں پیار کرنا چاہتا ہوں۔" شہزادے نے اُسے سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح ایک جادوگرنی نے اُسے مینڈک میں تبدیل کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اب وہ اُسی وقت اپنی اصلی صورت میں واپس آ سکے گا جب کوئی شہزادی اُسے تین دن کھانا کھلائے گی اور اپنے بستر پر سونے کی اجازت دے گی۔

نوجوان شہزادی نے شہزادے کو "ہاں" کہنے میں دیر نہیں کی تھی اور جونہی وہ دونوں آپس میں شادی کرنے پر رضامند ہو گئے، ایک سنہری شاہی بگھی جس میں آٹھ سنہری گھوڑے جتے ہوئے تھے اور جسے موروں کے پروں سے سجایا گیا تھا، انہیں شہزادے کے باپ کی سلطنت میں لے جانے کے لیے باہر تیار کھڑی تھی۔ بگھی کو چلانے کے لیے شہزادے کا نوکر موجود تھا۔

اب انھوں نے شہزادی کے باپ بادشاہ سے اجازت لی اور ہنسی خوشی بگھی میں سوار ہو گئے۔ محل کے سبھی لوگوں نے انھیں بڑی گرمجوشی سے خدا حافظ کہا اور وہ شہزادے کی سلطنت میں جانے کے لیے رخصت ہو گئے۔ اور شام ہونے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے

جہاں وہ کئی سال تک ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے رہے۔

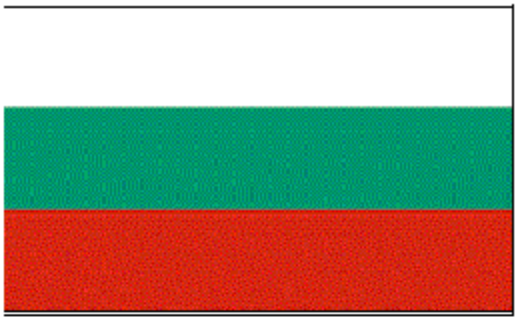

بلغاریہ

سنہری کی مچھلی

ترجمہ: نصر ملک

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بہت ہی غریب مچھیرا تھا، جو اپنی بیوی کے ساتھ سمندر کے کنارے رہتا تھا۔ اُن کا مکان چھوٹا سا تھا لیکن اُن دونوں میاں بیوی کے لیے اور اُن کے سامان کے لیے کافی تھا۔

ایک دن جب وہ آدمی مچھلیاں پکڑ رہا تھا تو اس کے ہاتھ، ایک سنہری مچھلی لگی۔ اُس نے جب مچھلی کو کشتی میں جال سے باہر نکالا تو وہ بولی، ''پیارے، مجھے مت مارو، مجھے زندہ رہنے دو۔ اگر تم مجھے زندہ رہنے دو گے تو میں تمھاری پہلی خواہش پوری کر دوں گی۔ کیا تمھارا ہی کوئی خواہش نہیں ہے؟''

مچھیرے نے خوب سوچا۔لیکن کافی سوچنے کے باوجود اُسے کوئی خواہش نہ سوجھی۔ مگر اُس نے مچھلی کو چھوڑ دیا۔

جب وہ شام کو گھر آیا تو اُس نے اپنی بیوی سے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ بیوی نے جب سُنا کہ اُس نے کوئی خواہش نہیں کی تھی تو وہ ناراض ہوگئی۔

''کل صبح سویرے اُس سونے کی مچھلی سے کہنا کہ مجھے نئے اور عمدہ کپڑوں کی ضرورت ہے۔'' وہ بولی۔

جب مچھیرا اگلی صبح سمندر پر پہنچا تو اُس نے سونے کی مچھلی کو آواز دے کر کہا کہ اُس کی بیوی کو نئے اور عمدہ کپڑوں کی ضرورت ہے۔''

اب شام کو مچھیرے نے جب گھر واپس آ کر دیکھا تو اُسے خود اپنی آنکھوں پر بھی یقین نہ آیا۔ اُس کی بیوی سر سے پاؤں تک نئے اور شاندار کپڑوں میں لپٹی ہوئی تھی۔لیکن وہ مطمئن نہیں تھی۔

''کل صبح سونے کی مچھلی سے کہنا کہ مجھے ایک بڑا گھر بھی چاہیئے!'' اُس نے مچھیرے سے کہا۔

اگلی صبح آدمی نے سنہری مچھلی کو آواز دے کر کہا کہ اُس کی بیوی کو ایک بڑا گھر بھی چاہیئے۔'' اور جب وہ اُس شام گھر آیا تو اُس کا پرانا گھر غائب تھا اور جہاں وہ رہتا تھا وہاں ایک بڑا اور نیا مکان کھڑا تھا لیکن بیوی اب بھی مطمئن نہیں تھی۔

''کل صبح مچھلی سے کہنا کہ مجھے ایک بہت بڑا محل رہنے کو چاہیئے۔ میں ملکہ بنوں گی

اور مچھلی میری کنیز ہوگی۔'' اُس نے کہا۔

اگلی صبح مچھیرے نے آواز دے کر سنہری مچھلی کو وہی کچھ بتایا جو اُس کی بیوی نے کہا تھا۔ لیکن جب وہ شام کو گھر واپس آیا تو نہ وہاں ملکہ تھی اور نہ ہی محل۔ وہاں اُس کا وہی پرانا گھر تھا اور اُس کی بیوی اپنے پھٹے پرانے کپڑوں میں لیٹی ہوئی تھی۔

پولینڈ

دفن شدہ آدمی کی رُوح

ترجمہ: نصر ملک

بہت پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک غریب عالم ایک قصبے سے گزر رہا تھا کہ اُس نے ایک پھاٹک کی دیوار کے قریب ایک مردہ آدمی کی لاش دیکھی۔ لوگ اُسے پاؤں سے ٹھوکریں مارتے اور اُس کی بے حُرمتی کرتے گزر رہے تھے۔ کئی ایک اس کے اوپر تھوک بھی رہے تھے۔ اس عالم کے پاس اتنے پیسے تو نہیں تھے لیکن پھر بھی اُس نے اس مردہ آدمی کی لاش کو دفنانے کے لیے اپنے دل میں ارادہ کر لیا۔

عالم نے دو آدمیوں کو اُجرت پر ساتھ لیا۔ لاش کو اُٹھایا۔ اسے نہلا کر دفن کرنے کے لیے تیار کیا اور پھر ایک قبر کھود کر پوری رسومات کے ساتھ اُسے دفنا دیا۔ یہ سب کچھ کرنے کے

بعد وہ اپنے سفر پر آگے نکل گیا۔ اب وہ چلتے چلتے ایک جنگل میں جا پہنچا اور شاہ بلوط کے ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔وہ بہت تھک چکا تھا۔اب نیند اُس پر حاوی ہوگئی تھی۔ جب وہ اپنی گہری نیند سے جاگا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس کے سامنے سونے سے بھرا ایک تھیلا پڑا تھا۔ اُس نے اس حیران کن نعمت پر اُن اجنبی ہاتھوں کا شکریہ ادا کیا جو یہ تھیلا وہاں رکھ گئے تھے۔اُس نے تھیلا اُٹھایا اور چلتے چلتے ایک دریا کے کنارے جا پہنچا۔ جہاں سے اُسے دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر جانا تھا۔ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ دریا کیسے عبور کرے کہ اُسے دو کشتی بان دکھائی دیئے جو اُسی کی طرف آ رہے تھے۔ان دو آدمیوں نے عالم کے پاس سونے سے بھرے ہوئے تھیلے کو دیکھ لیا تھا۔انہوں نے اُسے کشتی میں سوار ہونے کی پیشکش کی۔اور عالم کو ساتھ لے کر کشتی دریا میں اُتار دی لیکن جونہی کشتی دریا کے درمیان پہنچی انہوں نے عالم سے سونے سے بھرا تھیلا چھین لیا اور اُسے دھکا دے کر دریا میں پھینک دیا، جہاں وہ لہروں کی نظر ہوگا لیکن عین اُسی وقت اُسے ایک تختہ پانی پر تیرتا نظر آیا اور اس نے ہمت کر کے اسے پکڑ لیا اور اُس پر لیٹ گیا۔تختہ تیرتا ہوا دریا کے اُسی کنارے پر جا لگا جہاں اُس عالم نے جانا تھا۔ یہ کوئی تختہ نہیں تھا بلکہ دراصل یہ اُس مردہ آدمی کی روح تھی جس کے کفن دفن کا بندوبست اس عالم نے کیا تھا اور وہ اُسے بچانے کے لیے ایک تختے کے روپ میں وہاں آ گئی تھی۔ ''تم نے میری باقیات کو عزت دی اور انہیں احترام کے ساتھ دفنایا اس کے لیے میں تمھارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔'' روح نے اُس سے کہا۔'' اس احسان کے بدلے ،مَیں تمھیں سکھاتی ہوں کہ تم کس طرح اپنے آپ کو ایک کوے، ایک خرگوش اور ایک

ہرن میں بدل سکتے ہو۔"

تب اُس روح نے اُسے ایک جادوئی لفظ یاد کرایا اور کہا کہ وہ جب بھی اپنے آپ کو کسی کوے، خرگوش یا ہرن میں بدلنا چاہے تو اسے تین بار یہ لفظ دہرانا ہو گا اور وہ وہی بن جائے گا جو وہ چاہتا ہے۔ عالم نے بہت سوچا اور پھر اسی سوچ میں گُم وہ چلتے چلتے بادشاہ کے دربار میں جا پہنچا۔ جہاں اُس نے اپنے آپ کو ایک تیر انداز کے طور پر پیش کیا۔

بادشاہ کی ایک خوبصورت بیٹی تھی لیکن وہ ایک ایسے جزیرے پر رہتی تھی جہاں پر کسی کی رسائی ممکن ہی نہیں تھی۔ یہ جزیرہ چاروں طرف سے سمندر کے گہرے پانیوں میں گھرا ہوا تھا۔ شہزادی وہاں تانبے کے بنے ہوئے ایک بند قلعے میں رہتی تھی۔ اور اُس کے پاس ایک ایسی تلوار تھی کہ جس کسی کے پاس وہ تلوار ہوتی وہ بڑی سے بڑی فوج پر بھی فتح پا سکتا تھا۔

بادشاہ کے ملک پر دشمنوں نے یلغار کر دی تھی۔ اُسے فاتح تلوار کی ضرورت تھی اور چاہتا تھا کہ جلد سے جلد تلوار اُس کے ہاتھ آ جائے۔ لیکن وہ یہ تلوار کیسے حاصل کرے؟ یہ ایک معمہ تھا۔ اب تک کوئی بھی اُس جزیرے تک نہیں پہنچ سکا تھا جہاں شہزادی رہتی تھی اور جس کے پاس وہ فاتح تلوار تھی۔ بالآخر بادشاہ کے اعلان کرایا کہ جو کوئی وہاں جائے گا اور شہزادی سے وہ تلوار لا کر اُسے دے گا وہ شہزادی کی شادی اسی سے کر دے گا اور مزید یہ کہ بادشاہ کی اپنی موت کے بعد وہ تاج و تخت کا مالک بھی ہو گا۔ کوئی ایک بھی فرد سامنے نہ آیا۔ کوئی بھی جزیرے پر جانے اور فاتح تلوار لا کر بادشاہ کو دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ دراصل کوئی نہیں چاہتا تھا کہ جزیرے پر جانے کے لیے اپنی جان خود خطرے میں ڈالے کیونکہ جب بھی کسی نے ادھر

کا رخ کیا تھا اُسے بعد میں کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بالآخر وہ عالم جواب ایک تیر انداز تھا، اُس نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ ''بادشاہ حضور! میں جزیرے پر جاؤں گا اور شہزادی سے وہ فاتح تلوار لا کر آپ کو پیش کروں گا۔ لیکن اس کے لیے آپ کو ایک کام کرنا ہوگا۔'' اس نے بادشاہ سے کہا۔

''بولو ہم سننے کے لیے تیار ہیں۔'' بادشاہ نے کہا۔

''حضور آپ اپنی بیٹی کے نام ایک خط لکھ دیں کہ وہ فاتح تلوار میرے حوالے کردے۔'' تیر انداز نے کہا۔

بادشاہ کے سبھی درباری حیران، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس تیر انداز کو دیکھ رہے تھے۔ جسے شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی موت کے سفر پر روانہ ہونے والا ہے۔

بادشاہ نے اسی وقت اپنی بیٹی کے نام ایک خط لکھ کر تیر انداز کے حوالے کیا اور وہ وہاں سے سفر پر روانہ ہوگیا۔ وہ چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچا لیکن اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ بادشاہ کے دربار کا ایک اور تیر انداز چھپ کر اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔

جنگل میں ایک جگہ رُک کر اُس نے کچھ آرام کیا اور پھر اُس نے اپنے آپ کو پہلے ایک خرگوش میں بدلا اور پھر ایک ہرن میں تبدیل ہوگیا۔ اب اس نے بڑی تیزی سے دوڑتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ سمندر کے کنارے پر پہنچ گیا۔ یہاں اُس نے اپنے آپ کو ایک کوے میں تبدیل کیا اور سمندر کے پانی کے اوپر فضا میں پرواز کرتے کرتے اُس جزیرے پر جا پہنچا جہاں شہزادی کا قلعہ تھا۔

اُس نے خوبصورت شہزادی کو اُس کے باپ بادشاہ کا خط پیش کیا۔اور التجا کی کہ وہ اسے فاتح تلوار دے دے تا کہ وہ اُسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر سکے اور بادشاہ اپنے دشمنوں سے نبرآزما ہو سکے۔شہزادی نے جب تیر انداز کو دیکھا اور اُس کا انداز گفتگو سُنا تو وہ اس کے دل میں اُتر گیا۔شہزادی نے اس سے پوچھا کہ وہ اِس جزیرے پر اُس کے محل تک کیسے پہنچا ہے جو کہ چاروں طرف سے گہرے پانیوں میں گھرا ہوا ہے اور آج تک کسی دوسرے انسان کے قدم یہاں نہیں پڑے ہیں۔

تیر انداز نے شہزادی کو بتایا کہ وہ کچھ جادوئی لفظ جانتا ہے جن کی مدد سے وہ اپنے آپ کو ایک ہرن، ایک خرگوش اور ایک کوے میں بدل سکتا ہے۔شہزادی نے اس سے درخواست کی کہ وہ اُسے ایسا کر کے دکھائے۔تب تیر انداز نے خود کو ایک خوبصورت ہرن کی صورت میں بدل لیا اور ادھر اُدھر گھومنے لگا۔ شہزادی نے بڑی ہوشیاری سے اُس کی کمر سے بالوں کا ایک چھوٹا سا گچھ اُتار لیا۔ اور پھر جب تیر انداز نے خود کو ایک خرگوش میں بدلا تو شہزادی نے اُس کی دم سے کچھ بال چُرا لیے۔اب تیر انداز نے جب اپنے آپ کو کوے میں بدلا تو شہزادی نے آہستہ سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اُس کا ایک چھوٹا سا پَر اُکھاڑ لیا۔ اس کے بعد شہزادی نے فوراً اپنے باپ کے نام ایک خط لکھ کر فاتح تلوار کے ساتھ، اُس کے حوالے کر دیا۔ نوجوان عالم ایک کوے کی صورت میں سمندر پر اڑتا ہوا دوسرے کنارے پر جا اُترا اور وہاں اترتے ہی اُس نے خود کو ایک ہرن میں تبدیل کر کے دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ جنگل کو عبور کر کے اب خود کو ایک خرگوش میں تبدیل کر چکا تھا۔لیکن وہ دوسرا بد دیانت مکار

تیرانداز وہاں پہلے ہی سے گھات میں تھا۔اُس نے جب دیکھا کہ وہ عالم اب اپنے آپ کو ایک ہرن سے خرگوش میں بدل چکا ہے تو اُس نے فوراً اپنی کمان کھینچی اور خرگوش کا نشانہ لے کر تیر پھینک دیا جو سیدھا خرگوش کے سینے میں لگا اور وہ وہیں مر گیا۔ اب اُس نے آگے بڑھ کر بادشاہ کا خط لیا، فاتح تلوار اُٹھائی اور بادشاہ کے محل کی طرف چلدیا۔

محل میں پہنچ کر اُس نے شہزادی کا خط اور فاتح تلوار دونوں بادشاہ کو پیش کیے اور اُسے اُس کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اب وہ شہزادی کی شادی اس کے ساتھ کردے۔ تلوار لے کر بادشاہ بے انتہا خوش ہوا اور اُس نے فوراً اعلان کر دیا کہ تیرانداز کی شادی اُس کی شہزادی بیٹی سے ہوگی۔اب بادشاہ نے تلوار سنبھالی اور اپنے ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنوں سے نبرآزما ہونے کے لیے روانہ ہو گیا۔میدان جنگ میں وہ تلوار لہراتے ہو داخل ہوا اور پھر وہ تلوار کو جدھر گھماتا اُدھر دشمنوں کے سَروں کے ڈھیر لگ جاتے۔ وہ تلوار کے ساتھ دشمنوں کی صفوں کو تہس نہس کرتا اور اُن کی لاشوں کے پشتے لگاتا جا رہا تھا۔اب باقی بچے کھچے دشمن دُم دبا کر بھاگ گئے تھے۔اور بادشاہ ایک فاتح کے طور پر محل میں واپس آ گیا تھا۔اُس نے اپنی بیٹی کو بلوایا تا کہ اُس تیرانداز کے ساتھ اُس کی شادی کر دی جائے جو فاتح تلوار لے کر آیا تھا۔

محل میں منگنی کی ایک بہت بڑی شاہی تقریب جاری تھی۔محل کو مختلف رنگوں والی روشنیوں سے سجایا گیا تھا اور موسیقار ساز بجاتے خوشی کے نغمے گا رہے تھے لیکن شہزادی، خونی تیرانداز کے پہلو میں بیٹھی بہت اداس تھی۔ وہ یہ جان گئی تھی کہ وہ اُس کا محبوب تیرانداز نہیں

تھا جسے اُس نے جزیرے پر اپنے قلعے میں دیکھا تھا۔لیکن وہ خاموش رہی اور اُن نے اپنے باپ سے بالکل نہ پوچھا کہ وہ خوبصورت تیرانداز کہاں ہے ۔ وہ بس روتی رہی اور اپنے محبوب کو یاد کرتی رہی۔اُس کا دل اُسی کے لیے دھڑک رہا تھا۔

غریب عالم،خوگوش کی کھال میں مرا ہوا شاہ بلوط کے درخت کے نیچے ایک جھاڑی کے قریب پڑا ہوا تھا۔ایک رات یوں ہوا کہ اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ ایک گہری نیند سے بیدار ہوا ہے اور اُس کے عین سامنے وہی جانی پہچانی روح کھڑی ہے جس کے بدن کو اُس نے بہت پہلے دفنایا تھا۔اُس نے اُسے بتایا کہ اُس کے ساتھ کیا ہوا تھا اور یہ کہ اب اسے دوبارہ زندگی مل گئی ہے۔روح نے اُس سے کہا کہ کل شہزادی کی شادی ہے،اور وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر سیدھا بادشاہ کے محل میں جائے جہاں شہزادی اُسے خود ہی پہچان جائے گی اور وہ بے رحم قاتل تیرانداز بھی جس نے تمھیں اپنے تیر سے مارا تھا،تمھیں دیکھ لے گا اور پہچان لے گا۔

نوجوان عالم یہ سُن کر اچھلا اور پھر جتنا تیز دوڑ سکتا ہے،دوڑتے ہوئے،دھڑکتے دل کے ساتھ محل میں جا داخل ہوا۔شاہی مہمان بڑی شان وشوکت کے ساتھ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے کھانا کھانے اور مشروبات پینے میں مصروف تھے۔سازندے دل کو چھو لینے والی موسیقی کی دھنیں بجا رہے تھے۔نوجوان عالم جونہی ان کے درمیان پہنچا شہزادی نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور خوشی سے اچھل پڑی۔ادھر بددیانت مکار قاتل تیرانداز نے بھی اُسے دیکھ لیا اور پہچان لیا تھا اور نوجوان عالم کو دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ

زرد پڑ گیا تھا اور وہ تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ پھر نوجوان عالم نے اس خونی قاتل نے جو کچھ کیا تھا وہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اپنے بیان کے ثبوت میں اُس نے تمام شاہی مہمانوں کے سامنے اپنے آپ کو پہلے ایک بہت ہی خوبصورت ہرن کی شکل میں بدل کر دکھایا اور شہزادی نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ بالوں کو وہ گچھا جو اس نے اپنے قلعے میں اس کی کمر سے اتار لیا تھا واپس ہرن کی کمر پر اسی جگہ لگا دیا۔ اس کے بعد اُس نے خود کو ایک خرگوش میں بدلا اور شہزادی نے بھی اس کی دُم کے بال اُن کی جگہ پر رکھ دیئے۔ تمام مہمان بڑی حیرانگی اور تعجب کے ساتھ یہ منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ وہ خرگوش اب ایک کوئے میں بدل گیا تھا۔ شہزادی نے اس کا وہ چھوٹا سا پَر وہیں رکھ دیا جہاں سے اُس نے اُسے اپنے قلعے میں اُس کے پروں سے چُرایا تھا۔ اب وہ کوا ایک نوجوان تیرانداز میں بدل کر شہزادی کے سامنے کھڑا تھا، نہیں کھڑا نہیں تھا بلکہ شہزادی اور بادشاہ کی تعظیم میں اُس نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اُسی وقت مکار، دھوکہ باز قاتل تیرانداز کو گرفتار کرنے کا حکم دیتے ہوئے اُس کے لیے موت کی سزا کا اعلان کیا۔ شاہی سپاہیوں نے فوراً آگے بڑھ کر اُسے گرفتار کر لیا اور پھر گھسیٹتے ہوئے اُسے باہر لے جا کر اُس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

محل کے اندر بڑے ہال میں بادشاہ نے خود شہزادی کا ہاتھ نوجوان عالم کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ تمام محل روشنیوں سے جگمگا رہا تھا اور شاہی مہمان، عورتیں اور مرد، دائرہ بنائے خوشی سے ناچ رہے تھے۔ اور ان سب کے درمیان نیا شادی شدہ جوڑا شاہی عروسی کپڑے پہنے محوِ رقص تھا۔ شہزادی کی آنکھوں میں اب بھی آنسو تھے لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے،

اسے اُس کا خاوند مل گیا تھا جسے وہ دل و جان سے چاہتی تھی۔

جرمنی

رقاصہ شہزادیاں

ترجمہ: نصر ملک

ایک بادشاہ کی بارہ بے حد خوبصورت بیٹیاں تھیں۔ وہ ایک کمرے میں الگ الگ بستر پر سوتی تھیں اور جب وہ سونے لگتیں تو کمرے کے دروازے کو بند کر کے تالا لگا دیا جاتا تھا، تاہم ہر صبح ان بارہ شہزادیوں کے جوتے اندر سے یوں گرم ہوتے تھے جیسے وہ انہیں پہن کر ساری رات رقص کرتی رہی ہوں۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے یا پھر شہزادیاں رات کو کہاں جاتی اور رقص کرتی تھیں۔

بادشاہ نے اپنی پوری سلطنت میں اعلان کرایا کہ جو کوئی بھی اس پوشیدہ راز کو دریافت کرے گا اور بتا سکے گا کہ شہزادیاں رات کو کہاں رقص کرتی ہیں وہ ان شہزادیوں میں

سے جس کے ساتھ چاہیے گا، شادی کر سکے گا اور بادشاہ کے مرنے کے بعد سلطنت کا نیا بادشاہ بن جائے گا۔ اور اگر کوئی تین دن کے اندر یہ معمہ حل نہ کر سکا تو اُس کو لٹکا کر پھانسی دے دی جائے گی۔

اگلے دن کسی دوسرے ملک کا ایک شہزادہ آیا جس کی خوب آؤ بھگت کی گئی۔ اور پھر شام کو اُسے شہزادیوں کے سونے والے کمرے کے ساتھ والے کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ شہزادے کے کمرے کا دروازہ کھلا رکھا گیا تا کہ وہ یہاں سے شہزادیوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھ سکے اور دیکھ سکے کہ وہ رقص کے لیے کہاں جاتی ہیں۔ لیکن شہزادہ جلد ہی سو گیا۔ اور جب اگلی صبح وہ جاگا تو اسے معلوم ہوا کہ شہزادیاں تو ساری رات اتنا ناچتی رہی ہیں کہ اُن کے جوتوں کے تلوں میں سوراخ ہو گئے تھے۔ اور پھر دوسری اور تیسری رات بھی ایسا ہی ہوا اور بادشاہ نے حکم جاری کر دیا کہ اس شہزادے کا سر اُڑا دیا جائے۔

اُس کے بعد سات اور آئے لیکن اُن کی قسمت کا انجام بھی وہی ہوا جو شہزادے کا ہوا تھا۔

اب ایک سپاہی جو جنگ میں زخمی ہو گیا تھا اور مزید لڑ نہیں سکتا تھا، ایک جنگل سے گذر رہا تھا کہ اُسے ایک بہت بوڑھی عورت ملی جس نے اُس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

''میں بلکل نہیں جانتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا ہے۔'' سپاہی نے جواب دیا۔ '' لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ جگہ تلاش کروں جہاں شہزادیاں رقص کرتی ہیں،

اور پھر ہوسکتا ہے کہ کسی وقت میں بادشاہ بن جاؤں۔"

"اچھا!" بوڑھی عورت بولی ۔ "یہ تو کوئی مشکل کام نہیں، تم صرف محتاط رہنا اور کسی بھی قسم کی کوئی شراب جو تمھیں کوئی شہزادی پیش کرے ہرگز نہ پینا۔ اور جب وہ چلی جائے تو یوں دکھائی دینا کہ جیسے تم سو رہے ہو۔"

پھر اس بوڑھی عورت نے اُسے ایک چوغا دیا اور بولی " جونہی تم اسے پہنو گے، تمھیں کوئی بھی دیکھ نہیں سکے گا اور پھر تم شہزادیوں کا پیچھا کر سکو گے کہ وہ کہاں جاتی ہیں۔"

سپاہی نے جب یہ سُنا تو وہ اپنی قسمت آزمانے کے لیے مزید تیار ہوگیا ۔ اب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا اور بولا کہ وہ معمہ حل کرنے کو تیار ہے۔ اُس کی خوب آؤ بھگت کی گئی اور بادشاہ نے اُسے ایک شاہی کوٹ عطا کیے جانے کا حکم دیا۔ اور جب رات ہوئی تو اسے بھی شہزادیوں کے کمرے کے ساتھ والا وہی کمرہ دے دیا گیا جو اُس سے پہلے آنے والوں کو دیا گیا تھا۔

سپاہی بستر پر لیٹنے ہی والا تھا کہ سب سے بڑی شہزادی اُس کے لیے شراب کا ایک گلاس لے کر اندر آ گئی لیکن سپاہی نے بڑی ہوشیاری اور زارداری سے ساری شراب ایک طرف گرا دی اور اُس کا ایک قطرہ تک نہ پیا۔ پھر وہ اپنے بستر پر لیٹ گیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد خراٹے لینے لگا۔ خراٹوں کی آواز اتنی اونچی تھی کہ جیسے وہ بہت ہی گہری نیند میں تھا۔

بارہ شہزادیوں نے جب یہ آواز سنی تو وہ جی بھر کر ہنسیں۔ بڑی شہزادی بولی، "اس سپاہی کو یوں اپنی زندگی ضائع کرنے کی بجائے کوئی اور اچھا کام کرنا چاہیئے تھا۔" اب ان شہزادیوں نے اپنے صندوق کھولے اور اپنے زرق برق لباس اور زیورات نکال کر پہنے اور

خوب سج کر تیار ہو گئیں۔ اب وہ ناچنے کے لیے بیتاب دکھائی دے رہی تھیں۔ لیکن سب سے چھوٹی شہزادی بولی، ''میں نہیں جانتی کہ ایسا کیوں ہے لیکن تم سب جہاں اتنی خوش ہو رہی ہو مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آج کوئی بدقسمتی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔''

'' تم تو ویسے ہی فکر کر رہی ہو۔'' سب سے بڑی شہزادی بولی۔ ''تم ہمیشہ سے ڈرپوک ہو، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ پہلے کتنے شہزادے اور لوگ اپنی قسمت آزما چکے اور اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں اور یہ سپاہی، اسے تو اگر میں نیند کی دوائی ملا شراب نہ بھی پلاتی تو بھی یہ سو کر خراٹے بھرتا رہتا، تم اس کے خراٹوں کی آواز تو سنو وہ کتنی گہری نیند میں ہے۔''

اب جب سب شہزادیاں سج دھج کر تیار ہو گئیں تو انھوں نے سپاہی کے کمرے میں جھانکا تا کہ یقین کر لیں کہ وہ سو رہا ہے۔ سپاہی اپنے بستر پر بے حس و حرکت لیٹا خراٹے لے رہا تھا ۔ اب شہزادیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ سو رہا ہے اور خود بلکل محفوظ ہیں ۔اب وہ سب اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھیں۔اور بڑی شہزادی نے اپنے بستر کے قریب کھڑے ہو کر اپنے ہاتھوں سے ہلکی سے تالی بجائی تو بستر کمرے کے فرش میں دھنس کر نیچے چلا گیا اور وہاں نیچے سیڑھیوں والا ایک دروازہ کھل گیا۔ سپاہی اپنے کمرے سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اب شہزادیاں بڑی شہزادی کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے جانے لگی تھیں۔ سپاہی نے بڑی جلدی سے اُس بوڑھی عورت کا دیا ہوا چوغا پہنا جو اُسے جنگل میں ملی تھی۔اب وہ ان شہزادیوں کے پیچھے سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا لیکن سیڑھیوں سے اترتے ہوئے نجانے کیسے چھوٹی شہزادی کا نازک ریشمی گاؤن اُس کے ساتھ الجھ کر پھٹ گیا۔اور وہ اپنی

بہنوں سے بولی، ''سنو! یہاں کچھ ہے، سب ٹھیک نہیں ہے، دیکھو میرا گاؤن پھٹ گیا ہے۔''

''تم پاگل!'' بڑی شہزادی بولی، ''کچھ بھی نہیں، یہ دیوار میں لگا کوئی کیل ہے جس سے تمھارا گاؤن پھٹ گیا ہے۔ اب آگے بڑھو!''

اب وہ سب شہزادیاں نیچے درختوں کے ایک بہت ہی خوبصورت کُنج میں پہنچ گئی تھیں۔ان درختوں کے پتے چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ اُن کی چمک دھمک ایک عجیب پُرفریب منظر پیش کر رہی تھی۔ سپاہی اس منظر کی کوئی ایک یاد اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔لہٰذا اُس نے ایک درخت کی چھوٹی سی شاخ توڑلی۔ جونہی اُس نے شاخ توڑی، درخت سے ایک بھاری شور سنائی دیا۔ اب سب سے چھوٹی شہزادی پھر بولی، ''مجھے یقین ہے کہ کچھ نہ کچھ خراب ہے، کیا تم نے شور نہیں سُنا؟ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔''

''یہ سب تو ہمارے شہزادے ہیں جو ہمیں ملنے کے لیے بیتاب ہیں اور خوشی سے شور مچا رہے ہیں۔'' سب سے بڑی شہزادی بولی۔ اب وہ خوبصورت درختوں کے ایک اور جُھنڈ میں پہنچیں۔ان درختوں کے پتے سونے کے تھے اور وہ اپنی سنہری چمک دھمک سے ماحول کو روشن کر رہے تھے۔ پھر وہ درختوں کے تیسرے کُنج میں پہنچیں، یہاں درختوں کے پتے ہیروں کے تھے اور وہ روشنی کی رنگین شعاؤں سے ارد گرد رنگ بکھیر رہے تھے۔ سپاہی نے ان دونوں جگہوں سے بھی درختوں کی ایک ایک شاخ توڑلی تھی۔ اور ہر بار شور پیدا ہوا تھا۔جس پر سب سے چھوٹی شہزادی نے اپنی بہنوں کو متوجہ تو کیا لیکن بڑی شہزادی نے ہر

بار اُسے تسلی دی کہ وہ گھبرائے نہیں، کچھ بھی نہیں ہونے والا تھا۔

اب وہ سب چلتی چلتی ایک بہت بڑی جھیل پر جا پہنچیں۔ اس جھیل کے کنارے پر بارہ چھوٹی کشتیاں تھیں جن میں بارہ خوبصورت شہزادے بیٹھے ان بارہ بہنوں کا انتظار کر رہے تھے۔

اب ہر شہزادی ایک ایک کشتی میں اپنے اپنے شہزادے کے ساتھ جا بیٹھی اور، سپاہی بھی بڑی پھرتی سے اُسی کشتی میں سوار ہوگیا جس میں سب سے چھوٹی شہزادی جا بیٹھی تھی۔ اب جب کشتیاں جھیل میں تیر رہی تھیں تو وہ کشتی جس میں چھوٹی شہزادی اور سپاہی اور ایک شہزادہ سوار تھے، بہت آہستہ تیر رہی تھی، حالانکہ شہزادہ پورے زور سے چپّو چلا رہا تھا۔ " معلوم نہیں آج کشتی اتنی سست کیوں تیر رہی ہے، میں تو اپنی قوت سے چپّو چلا رہا ہوں۔" وہ بولا۔

"مجھے آج کشتی بھاری لگتی ہے، میں تو تھک گیا ہوں۔"

" نہیں میرے پیارے شہزادے، کشتی ٹھیک ہی تیر رہی ہے، یہ تو پانی اور ہوا کی گرمی ہے جو اسے زیادہ تیز نہیں تیرنے دے رہی، دیکھو تو مجھے بھی کتنی گرمی لگ رہی ہے۔" شہزادی بولی۔

اب جب وہ جھیل کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو وہاں ایک بہت ہی عالیشان محل تھا جس کی کھڑکیوں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، اور اندر سے موسیقی کی تانیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ سب اپنی کشتیوں سے اتر کر اس محل کے اندر چلے گئے اور سپاہی جو

کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا وہ بھی ان کے ساتھ محل میں داخل ہوگیا۔ شہزادیاں اور شہزادے اندر جاتے ہی رقص کرنے لگے اور وہ یوں ناچ رہے تھے کہ انھیں اپنے اردگرد کی کوئی خبر ہی نہیں تھی۔ سپاہی بھی اُن کے ساتھ رقص میں شامل ہوگیا لیکن اُن میں سے کوئی بھی اُسے نہ دیکھ سکا۔ اب جب بھی کوئی شہزادی اپنے گلاس سے تھوڑی سی شراب پی کر گلاس کو میز پر رکھتی تو سپاہی بچی ہوئی شراب پی لیتا۔ چھوٹی شہزادی نے دیکھا کہ اُس کا گلاس خالی پڑا ہے تو بہت پریشان ہوئی اور سخت ڈر گئی۔ لیکن اس کی بڑی بہن نے پھر اُسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔ ''تم زیادہ پی گئی ہو اور نشے میں ہو، یہ تمھارا وہم ہے کہ کوئی تمھارے گلاس سے شراب پی گیا ہے۔'' وہ بولی۔

وہ وہاں آدھی رات سے زیادہ دیر تک رقص کرتے رہے اور شہزادیوں کے جوتوں کے تلوے گھس کر پھٹ گئے ۔ اب شہزادیوں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا اور شہزادوں نے انھیں اُسی طرح کشتیوں میں سوار کر کے وہیں پہنچا دیا جہاں سے وہ انھیں اپنے ساتھ لائے تھے۔ واپسی کے اس سفر کے دوران، سپاہی اُس کشتی میں سوار تھا جس میں سب سے بڑی شہزادی بیٹھی ہوئی تھی ۔ ساحل پر شہزادوں نے شہزادیوں سے رخصت لی، شہزادیوں نے اگلی رات پھر آنے کے وعدے کے ساتھ انھیں خدا حافظ کہا اور وہ واپس چلے گئے۔

اب جب شہزادیاں اُسی چور دروازے سے اپنے کمرے میں داخل ہونے لگیں تو سپاہی بھاگ کر اُن سے آگے نکل گیا اور جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے بستر پر یوں جا

لیٹا کہ جیسے گہری نیند میں ہو۔ وہ خراٹے بھر رہا تھا۔ تھکی ہوئی بارہ شہزادیاں جب اوپر پہنچیں تو انھوں نے دیکھا کہ سپاہی گہری نیند سویا ہوا ہے تو وہ بڑی خوش ہوئیں ۔ ''اب سب کچھ ٹھیک اور محفوظ ہے ۔'' وہ آپس میں بولیں۔ اب انھوں نے اپنے کمرے میں جا کر اپنے لباس بدلے، زیورات اتار کر انہیں اُن کی جگہ واپس رکھا اور اپنے جوتے اتارے اور اپنے اپنے بستر پر لیٹ کر سو گئیں۔ اگلی صبح سپاہی بالکل خاموش رہا اور کسی کو کچھ نہیں بتایا کہ پچھلی رات اُس نے کیا دیکھا تھا۔ لیکن اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ رات کو پھر شہزادیوں کے ساتھ جائے گا۔ اور پھر دوسری اور تیسری رات بھی سپاہی شہزادیوں کے ساتھ جاتا رہا اور آخری رات اُس نے واپسی پر بڑی شہزادی کا سونے کا گلاس اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا تا کہ اس سفر کی اور جو کچھ اُس نے دیکھا تھا، اس کی نشانی رہے۔

اب وقت آ گیا تھا کہ سپاہی کو بلایا جائے اور وہ اُس راز سے پردہ اٹھائے۔ اُسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس کے ہاتھوں میں، چاندی، سونے اور ہیروں کے پتوں والی تین شاخیں اور سونے کا ایک گلاس تھا۔ بارہ شہزادیاں پردے کے پیچھے کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور یہ سننے کے لیے بڑی بیتاب تھیں کہ سپاہی کیا کہتا ہے۔

'' میری بارہ پیاری بیٹیاں رات کو کہاں رقص کرتی ہیں؟'' بادشاہ نے سپاہی سے پوچھا۔

'' یہ بارہ شہزادیاں، زیر زمین بنے ایک خوبصورت محل میں بارہ خوبصورت شہزادوں کے ساتھ رات بھر رقص کرتی ہیں۔'' سپاہی بڑے احترام کے ساتھ بادشاہ کے

سامنے سر جھکا کر بولا۔ اور پھر اُس نے وہ سب کچھ بتا دیا جو اُس نے تین راتوں کے دوران خود دیکھا تھا۔ اور بادشاہ کو وہ تینوں شاخیں اور سونے کا گلاس بھی دکھایا جو وہ یادگار اور نشانی کے طور پر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

بادشاہ نے فوراً شہزادیوں کو بلایا اور پوچھا کہ سپاہی نے جو کچھ بتایا ہے کیا وہ سچ ہے۔ شہزادیوں نے جب چاندی، سونے اور ہیروں کے پتوں والی شاخیں اور سونے کا بنا ہوا گلاس دیکھا تو اُن کے پاس انکار کرنے کی کوئی گنجائش اور راہ ہی نہیں بچی تھی۔ انھوں نے تسلیم کیا کہ سپاہی نے جو کچھ کہا ہے بلکل سچ ہے۔

اب بادشاہ نے سپاہی سے کہا کہ وہ بارہ شہزادیوں میں سے کس کو اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے۔

''میں کچھ زیادہ جوان نہیں ہوں، لہٰذا میں سب سے بڑی شہزادی سے شادی کرنا چاہوں گا۔'' سپاہی بولا۔

بادشاہ نے بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے اُن دونوں کی اُسی روز شادی کرا دی اور سپاہی کو اپنا ولیعہد بھی بنا دیا۔

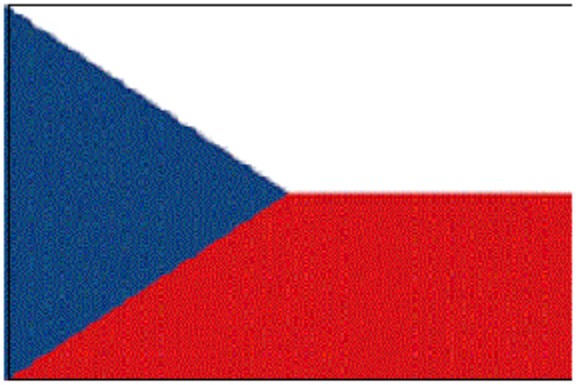

چیکوسلواکیہ

قصّہ دو گھوڑوں کا

ترجمہ: نصر ملک

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دو گھوڑے تھے۔ ایک کا مالک بہت رئیس اور دوسرے کا مالک بہت غریب کسان تھا۔ ان دونوں گھوڑوں کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ وہ جب بھی ملتے ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے اور اپنے بارے میں ایک دوسرے کو بتاتے اور آپس میں کبھی ایک دوسرے کا بُرا نہیں مناتے تھے۔ لیکن ایک دن رئیس کے گھوڑے نے ایسی بات کہہ دی جس نے اُس کے دوست کا دل دُکھا دیا۔

''میرے مقابلے میں تم تو ایک عام نسل کے گھوڑے ہو۔'' رئیس کے گھوڑے نے کہا۔ ''میں ایک آرام دہ خوبصورت سنہری بگھی کو چلاتا ہوں اور تم، تم مٹی گارا پڑے ہوئے ایک پرانے چھکڑے کو۔ میرے چارے میں طرح طرح کے لوازمات ہوتے ہیں اور میری خوراک کا خاص دھیان رکھا جاتا ہے اور تمھاری خوراک صرف گھاس پھونس ہی ہوتی ہے اور تم کئی بار بھوکے بھی رہ جاتے ہو۔ اب تم مجھے دیکھو!، دیکھو میری ٹانگیں کتنی مضبوط اور کتنی خوبصورت ہیں اور میرے کُھر کتنی مہارت سے کاٹے ہوئے ہیں۔ تمھارے تو بس مٹی گارے سے لُتھڑے ہوئے ہیں اور تمھاری ٹانگوں پر بھی کہیں کہیں داغ دکھائی دیتے ہیں۔ تم نے میری گردن دیکھی ہے، خوبصورت اور ملائم، بالکل ایک بڑی لٹھ کی خوبصورت گردن کی طرح، ہے کہ نہیں، ریشم کی طرح چمکتی ہوئی!، اور تمھاری گردن کتنی بھدّی اور کتنی کُھردری ہے۔ میری کھال ریشم کی طرح چمکتی ہے اور تمھاری، پسینے میں شرابور۔ میرے ماتھے پر ایک سفید ستارہ ہے اور تمھارے ماتھے پر کچھ بھی نہیں۔ ہم میں سے کون زیادہ خوبصورت ہے، تم یا میں؟''

''ہاں، بالکل!'' غریب کسان کے گھوڑے نے کہا۔

''یہ ہوئی نا بات!'' رئیس کے گھوڑے نے اپنا سَر اُونچا کرتے ہوئے کہا۔ ''میں جب دوڑتا ہوں تو مجھے دیکھنے والے خوش ہوتے اور تعریف کرتے ہیں۔ میں اپنے مالک کی بگھی چلاتے ہوئے، اتنا تیز چلتا ہوں کہ ہوا بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور یوں لگتا ہے کہ زمین اپنے آپ میرے قدموں کے نیچے سے پیچھے کھسکتی جا رہی ہو۔ تم کبھی ایسا نہیں کر

سکتے۔"

"نہیں، بالکل نہیں!" کسان کے گھوڑے نے کہا۔" میں ایسا نہیں ہوں۔"

"یقیناً تم ایسے نہیں ہو!" رئیس کے گھوڑے نے کہا۔ "اس بارے میں باتیں کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ تم اتنے سست ہو کہ ایک کچھوے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟"

" نہیں، کسی کچھوے کا نہیں۔" کسان کے گھوڑے نے کہا۔ "لیکن تم تو کچھوے سے مختلف ہو۔ میں آسانی سے تمھارا مقابلہ کر سکتا ہوں۔"

اس بات پر رئیس کے گھوڑے کو سخت غصہ آ گیا۔ اُس نے اپنے پاؤں زمین پر مارے، نتھنے پُھلائے، اور اپنی دُم اکڑا کر بڑے زور سے ہنہنایا۔

"بہت خوب" وہ بولا۔ "اگر یہی بات ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کون کس سے آگے نکلتا اور دوسرے کو ہراتا ہے۔"

وہ دونوں اُسی وقت وہیں مقابلے کے لیے متفق ہو گئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ دونوں میدان کے گرد، دوڑتے ہوئے چکر لگائیں گے اور تب تک نہیں رُکیں گے جب تک اُن میں سے ایک تسلیم نہیں کر لے گا کہ وہ اب مزید نہیں دوڑ سکتا۔

رئیس کے گھوڑا ہنہنایا، ایک جست لگائی اور سرپٹ بھاگنے لگا۔ وہ اپنے چکر کو پورا کرتے ہوئے کسان کے گھوڑے کے قریب سے گزرا اور دوسرا چکر شروع کر دیا۔ "ارے تم بھی تو بھاگو، بانگڑو!" اُس نے بھاگتے ہوئے پیچھے مڑ کر کسان کے گھوڑے پر پھبتی کسی۔

''کیا اب تمھارے آرام کا وقت نہیں، میرے دوست؟ تم تھک جاؤ گے۔'' اس نے کہا۔

''میں تھکنے سے کبھی نہیں ڈرتا۔'' کسان کے گھوڑے نے جواب دیا۔ وہ اپنے انداز میں دوڑتا جا رہا تھا۔

چوتھا چکر لگانے کے دوران بھی رئیس کا گھوڑا کسان کے گھوڑے سے آگے نکل گیا۔ اُس نے کسان کے گھوڑے پر پہلے جیسا جملہ کسا۔'' کیا اب --- وقت نہیں --- کہ تم --- کچھ --- آرام کر لو؟ تم ---تھک جاؤ گے۔'' اُس کی آواز ہکلا رہی تھی۔

''نہیں، ''میں تھکنے سے کبھی نہیں گھبراتا۔'' کسان کے گھوڑے نے جواب دیا ۔

''لیکن تمھارا سانس کچھ اُکھڑا اُکھڑا سا لگتا ہے۔''

''ہاں، کیونکہ میرے پاؤں پر چوٹ لگی ہے۔'' رئیس کے گھوڑے نے جھوٹ بولا اور پھر سرپٹ دوڑنے لگا۔

پانچویں چکر میں بھی وہ کسان کے گھوڑے سے آگے تھا لیکن اس بار نہ تو اُس نے کوئی جملہ کسا اور نہ ہی پہلے کی طرح ہنہنایا۔

''تم کراہ کیوں رہے ہو، میرے دوست؟'' کسان کے گھوڑے نے اُس سے پوچھا۔

''مجھے راہ میں ٹھوکر لگ گئی ہے۔'' رئیس کے گھوڑے نے جواب دیا۔

چھٹے اور پھر ساتویں چکر کے دوران، رئیس کا گھوڑا، غریب کسان کے گھوڑے سے

کوئی زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اور آٹھویں چکر میں کسان کا گھوڑا، رئیس کے گھوڑے کے برابر جا پہنچا اور اُسے پیچھے چھوڑ گیا۔

''تم پیچھے کیوں رہ گئے ہو، میرے دوست، کیا تم تھک گئے ہو؟ کسان کے گھوڑے نے پوچھا۔

'' نہیں، میں کچھ نے سوچنے کے لیے تھوڑا وقفہ کیا ہے۔'' رئیس کے گھوڑے نے جواب دیا۔ ''یہاں سوچنے کے لیے بہت کچھ ہے۔''

نویں چکر پر رئیس کے گھوڑے نے دوڑنا بالکل بند کر دیا۔ وہ زمین پر لیٹ گیا اور اپنی ٹانگیں ہوا میں مارنے لگا۔

''کیا بات ہے، تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' کسان کے گھوڑے نے اُس سے پوچھا۔

'' نہیں، بس ایک مکھی مجھے ڈنگ مار رہی اور تنگ کر رہی ہے۔ اُس نے مجھے ہر جگہ کاٹا ہے۔ میں اسے اُڑا لوں تو پھر دوبارہ بھاگتا ہوں۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے۔'' رئیس کے گھوڑے نے کہا۔

''ہاں، ہمارے پاس وقت ہے۔'' کسان کے گھوڑے نے کہا اور پھر بغیر رُکے دوڑنے لگا۔

دسویں چکر پر رئیس کا گھوڑا اُٹھا اور لنگڑاتا ہوا، قریب کی جھاڑیوں کے پیچھے جا کر گھاس چرنے لگا۔ وہ غریب کسان کے گھوڑے کو بھاگتے ہوئے دیکھنے سے کترا رہا تھا۔

''کیا یہ تمھارے ڈنر کا وقت ہے،؟ جنابِ رئیس صاحب!'' کسان کے گھوڑے نے اُسے آواز دی۔

''یہ عشاء کا وقت ہے۔'' رئیس کے گھوڑے نے گھاس چَرتے چَرتے جواب دیا۔ ''کیا تم نہیں دیکھ سکتے کہ دھند پڑ رہی ہے؟ بہتر ہے تم بھی تھوڑا سا آرام کرلو۔ دنیا میں ہمارے پاس سارا وقت پڑا ہے۔''

''مجھے آرام کی کوئی ضرورت نہیں ۔ کسان کے گھوڑے نے کہا۔ ''میں تو ابھی دوڑنے کے لیے صرف گرم ہی ہوا ہوں۔ ابھی میں دس چکر مزید لگاؤں گا اور پھر اُس کے بعد ہم دیکھیں گے۔''

اُس دن رئیس کا گھوڑا اتنا شرمندہ ہوا کہ پھر جب کبھی اُس کی ملاقات غریب کسان کے گھوڑے سے ہوئی وہ اُس کے سامنے اپنا سر نہ اٹھا سکا۔ اب وہ دوسرے گھوڑوں کے سامنے بھی اپنے بارے میں شیخیاں بگھاڑنا اور خودستائی کرنا چھوڑ چکا تھا۔

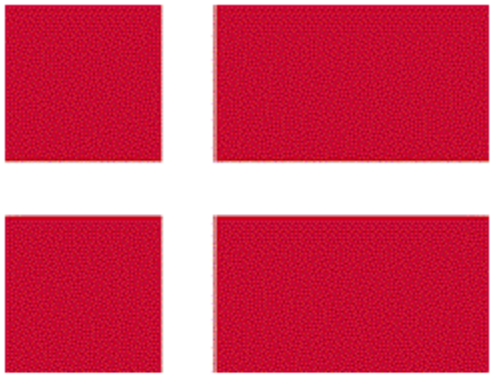

ڈنمارک

بُلبُل

از: ایچ۔سی۔آنڈرسن

ترجمہ: نصر ملک

آپ یقیناً جانتے ہی ہوں گے کہ چین کا شہنشاہ بھی چینی ہی ہے اور اس کے مصاحبوں میں بھی ہر ایک چینی ہے۔ یہ قصہ کئی سال پرانا ہے اور اس وجہ سے سننے کے قابل ہے کہ کہیں اسے بھلا نہ دیا جائے۔

شہنشاہ کا محل دنیا بھر میں ایک عجوبہ تھا۔ وہ سارے کا سارا چینی مٹی ہی سے بنایا گیا تھا اور اتنا قیمتی اور نازک تھا کہ بہت زیادہ احتیاط سے ہی چُھوا جا سکتا تھا۔ باغ میں نایاب

ترین پھول کھلے ہوئے تھے اور اُن میں جو سب سے زیادہ پیارے تھے، اُن کے ساتھ چاندی کی ننھی مُنی گھنٹیاں بندھی بجتی رہتی تھیں تا کہ پاس سے گزرنے والا کوئی بھی ان پھولوں کو دیکھے بغیر نہ گزرے۔ اگرچہ باغبان بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ باغ کتنا وسیع وعریض ہے.....، جی ہاں.....، لیکن اس کے باوجود شہنشاہ کے باغ میں تمام چیزیں ایک خاص ترتیب سے بنائی گئی تھیں۔ اگر آپ چلتے جاتے.....، چلتے ہی جاتے تو آپ ایک خوبصورت جنگل میں پہنچ جاتے جس میں اُونچے اُونچے درخت اور گہری جھیلیں تھیں۔ جنگل گہرے نیلے سمندر تک پھیلا ہوا تھا.....، سمندر کے اتنا قریب کہ سارے بحری جہاز جنگل کے درختوں کی شاخوں کے نیچے سے گزر سکتے تھے جو سمندر کے اُوپر تک جھکی ہوئی تھیں۔ اُنہیں درختوں میں ایک بُلبُل رہتا تھا۔ اُس کا گانا اتنا دل موہ لینے والا تھا کہ بیچارہ مچھیرا جس کے پاس مچھانے کو اور بھی بہت سے جھنجھٹ ہوتے تھے، وہ بھی جب راتوں کو اپنے جال لگانے جاتا تو بُلبُل کا گانا سننے کو رُک جاتا۔

وہ کہتا، ''یہ کتنا پیارا ہے!'' مگر پھر اُسے اپنے کام یاد آجاتے۔ اِس لئے وہ پرندے کا گانا بھول جاتا لیکن اگلی رات جب وہ ایک بار پھر گانا سنتا تو کہتا، ''واہ! یہ کتنا پیارا ہے!''

دنیا کے تمام شہروں سے سیاح شہنشاہ کے شہر آتے تھے۔ وہ شہر کی تعریف کرتے.....، شاہی محل اور باغ کی تعریف کرتے لیکن جب وہ بُلبُل کا گانا سُنتے تو کہتے، ''یہ سب سے زیادہ شاندار ہے!''

اور پھر وہ سیاح جب اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے تو اپنے سفر کی کہانیاں سُناتے .....، پھر پڑھے لکھے لوگوں نے شہر کے متعلق .....، شاہی محل کے بارے میں .....، اور شاہی باغ کے متعلق کتابیں لکھیں لیکن وہ سب بُلبُل کو نہیں بھولے۔ اُنہوں نے اُس کی سب سے زیادہ تعریف کی اور جو شاعر تھے اُنہوں نے اُس گہرے سمندر کے کنارے گھنے جنگل میں رہنے والے بُلبُل کے متعلق شاندار نظمیں لکھیں۔

یہ کتابیں دنیا بھر میں پہنچیں اور کچھ چین کے شہنشاہ کو بھی مِلیں۔ وہ اپنی سُنہری کرسی پر بیٹھا اپنے شہر .....، اپنے شاہی محل اور باغ کے متعلق سنہری خاکوں کو پڑھتا اور خوشی سے اپنا سر دھنتا .....، ''لیکن بُلبُل سب سے زیادہ خوبصورت ہے!'' اب تو شہنشاہ نے لکھا ہوا بھی پڑھ لیا۔

''یہ کیا ہے؟'' شہنشاہ نے پوچھا۔ ''ہم کسی بُلبُل کو نہیں جانتے۔ ''کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری اپنی سلطنت میں .....، ہمارے اپنے باغ میں ایسا کوئی پرندہ ہو اور اُس کا ہمیں ہی کوئی علم نہ ہو؟ اب اس طرح کی باتیں خود ہمیں کتابوں سے معلوم کرنی پڑیں گی!''

اِس پر شہنشاہ نے اپنے معتمدِ خاص کو بُلایا جو اتنا مغرور اور رعب و دبدبے والا تھا کہ جب نچلے درجے کا کوئی آدمی اُس سے بات کرنے کی جُرأت کرتا یا اُس سے کوئی سوال پوچھتا تو وہ جواب میں یہی کہہ دیتا، ''پی .....!'' جس کے معنی بالکل کچھ نہیں ہوتے۔

''سنا ہے یہاں کوئی بہت ہی حیران کن پرندہ ہے جسے بُلبُل کہتے ہیں!'' شہنشاہ نے کہا۔ ''کہتے ہیں کہ وہ ہماری سلطنت میں سب سے عمدہ شے ہے۔ ہمیں اس کے متعلق

کیوں نہیں بتایا گیا؟''

''میں نے پہلے اس کا ذکر تو کبھی نہیں سُنا!'' معتمد نے کہا۔ ''اُسے شاہی دربار میں تو کبھی پیش نہیں کیا گیا!''

''ہم حکم دیتے ہیں کہ وہ آج شام ہمارے سامنے پیش ہو اور ہمیں گانا سُنائے!'' شہنشاہ نے کہا۔ ''ساری دنیا جانتی ہے کہ ہماری سلطنت میں کیا کیا چیز موجود ہے سوائے خود ہمارے!''

''میں نے اُس کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سُنا!'' معتمد نے کہا۔ ''لیکن میں اُسے تلاش کروں گا۔ میں اُسے ڈھونڈ نکالوں گا!''

لیکن کہاں؟ معتمد اُوپر نیچے سیڑھیاں چڑھتا دوڑا.....، کمروں اور برآمدوں میں اِدھر اُدھر بھاگا پھرا لیکن کوئی ایسا آدمی نہ ملا جس کو بُلبُل کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ اس پر معتمد شہنشاہ کے پاس واپس بھاگا اور کہا کہ یقیناً یہ کتابیں لکھنے والوں کی من گھڑت کہانی ہے۔

''شاید شہنشاہِ معظم کو اس بات کا عمل ہوگا کہ جو کچھ کتابوں میں لکھا جاتا ہے اُس میں سے اتنا کچھ ایسا من گھڑت ہوتا ہے کہ اسے عرفِ عام میں کالا ادب بھی کہتے ہیں!''

''لیکن جو کتاب ہم نے پڑھی ہے وہ ہمیں جاپان کے عظیم شہنشاہ نے بھیجی تھی!'' شہنشاہ نے کہا۔ ''پس وہ جھوٹ کا پلندہ نہیں ہوسکتی.....، ہم اُس بُلبُل کا گانا ضرور سُنیں گے.....، ہم چاہتے ہیں کہ آج شام وہ یہاں ضرور حاضر ہو۔ اُسے ہماری زبردست شاہی

حمایت حاصل ہے اور اگر وہ یہاں حاضر نہیں ہوا تو شام کے کھانے کے فوراً بعد تمام درباریوں کو پیٹ پر گھونسے مروائے جائیں گے!''

''چنگ پی.....!'' معتمد نے کہا اور سیڑھیوں کی طرف اندھا دھند بھاگا.....، کمروں اور برآمدوں میں.....، اور آدھے درباری بھی اُس کے ساتھ دوڑے! کیونکہ کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ شام کے کھانے کے فوراً بعد اُس کے پیٹ پر گھونسے پڑیں۔

اُس حیرت انگیز بُلبُل کے ٹھکانے کے بارے میں بہت پوچھ گچھ اور چھان بین ہوئی جو کہ پوری دنیا میں تو بہت زیادہ مشہور و معروف تھا لیکن دربار میں اُسے کوئی جانتا تک نہیں تھا۔ آخر کار اُنہیں ایک چھوٹی باورچن لڑکی ملی جس نے کہا، ''اچھا! بُلبُل؟ میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں.....، جی ہاں.....، وہ واقعی گا سکتا ہے۔ میں ہر شام میز سے بچا کھچا کھانا اپنی بیمار ماں کو پہنچانے کے لئے چُھٹی لیتی ہوں۔ وہ سمندر کے کنارے پر رہتی ہے۔ واپسی پر جب میں تھک جاتی ہوں تو جنگل میں کچھ دیر آرام کرتی ہوں۔ وہیں میں بُلبُل کو گاتے سنتی ہوں۔ اُس کا گانا میری آنکھوں میں آنسو بھر لاتا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری ماں پیار سے مجھے چوم رہی ہو!''

''اے چھوٹی باورچن لڑکی!'' معتمد نے کہا۔ میں تمہیں زندگی بھر کے لئے بڑی باورچن لگوا دوں گا۔ یہاں تک کہ میں تمھیں شہنشاہ کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھنے کی اجازت بھی لے دوں گا.....، اگر تم ہمیں اُس بُلبُل تک لے چلو جسے آج شام شاہی دربار میں پیش ہونے کا حکم جاری ہوا ہے!''

پھر وہ چلے جنگل کی جانب ……، جہاں عموماً بُلبُل گانا گایا کرتا تھا۔ آدھے درباری بھی ساتھ گئے۔ جنگل کے رستے میں ایک گائے نے ڈکرانا شروع کر دیا۔

''اوہ……!'' ایک درباری چلّایا۔ ''یہی ہے ……، یہی ہے!'' ایک چھوٹے سے پرندے کی کیسی زبردست آواز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے اسے پہلے بھی گاتے ہوئے سُنا ہے!''

''نہیں ……، یہ تو گائے ڈکار لے رہی ہے!'' چھوٹی باورچن لڑکی نے کہا۔ ''ہمیں ابھی بہت دور جانا ہے!''

پھر ایک دلدل میں مینڈک ٹرانے لگے۔

''واہ……، شاندار!'' چینی دربار کے ایک آدمی نے کہا۔ ''اب میں اُسے سُن سکتا ہوں……، بالکل گرجا گھر کی بجتی ہوئی گھنٹیوں کی طرح!''

''نہیں ……، یہ تو مینڈک ہیں!'' چھوٹی باورچن لڑکی نے کہا۔ ''لیکن میرا خیال ہے کہ ہم بُلبُل کی آواز جلد ہی سن لیں گے!''

پھر بُلبُل نے گانا شروع کیا۔

''یہی ہے……!'' چھوٹی لڑکی نے کہا۔ ''……، سنو……، سنو! وہ وہاں شاخوں میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے!'' اُس نے بہت اُوپر شاخوں میں ایک مٹیالے رنگ کے چھوٹے سے پرندے کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ایسا ممکن ہے؟'' معتمد چلّایا۔ ''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس

طرح کا لگتا ہوگا.....، اتنا بھدّا.....،لیکن شاید وہ اپنے اردگرد اتنے زیادہ اہم لوگ دیکھ کر پیلا پڑ گیا ہے!''

''ننھے بُلبُل!'' چھوٹی باورچن لڑکی نے اُسے پکارا۔ ''ہمارے مہربان شہنشاہ معظم تمہارا گانا سننا چاہتے ہیں!''

''بہت خوشی سے!'' بُلبُل نے کہا اور گانا شروع کر دیا۔

''شیشے کی گھنٹیوں سے ملتی جُلتی آواز!'' معتمدِ خاص نے کہا۔ ''ذرا اُس کا چھوٹا سا نرخرہ تو دیکھو.....،کتنی تیزی سے پھڑک رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ہم نے اسے پہلے کبھی نہیں سُنا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شاہی دربار میں بہت نام کمائے گا!''

''میں شہنشاہِ معظم کے لئے دوبارہ گاؤں؟'' بُلبُل نے پوچھا۔ کیونکہ اُس نے سوچا کہ شہنشاہ وہیں موجود ہے۔

''میرے اچھے ننھے بُلبُل!'' معتمد نے کہا۔ ''مجھے یہ عزّت بخشی گئی ہے کہ میں آج شام شاہی دربار کی تقریب میں تمہاری شرکت کی دیکھ بھال کروں جہاں تم شہنشاہِ معظم کو اپنے دلکش گانے سے محظوظ کرو گے!''

میرے گانے جنگل میں ہی زیادہ سریلے سنائی دیتے ہیں!'' بُلبُل نے کہا۔لیکن جب اُس نے یہ سُنا کہ یہی شہنشاہِ معظم کی خواہش ہے تو وہ راضی خوشی اُن کے ساتھ ہولیا۔

موقع کی مناسبت سے شاہی محل کو خوب چمکایا گیا تھا۔ چینی ٹائلوں کی دیواریں اور فرش، سونے کے ہزاروں لیمپوں کی سنہری کرنوں میں چمک دمک رہے تھے۔

راہداریوں میں جھنجھناتی ہوئی گھنٹیوں والے پھول لائے گئے تھے اور وہاں آمدورفت کی چہل پہل اتنی زیادہ تھی کہ گھنٹیوں کے بجنے سے کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

عظیم تختِ شاہی والے کمرے کے بالکل درمیان جہاں شہنشاہ بیٹھا تھا، بُلبُل کے بیٹھنے کے لئے سونے کی ایک خوبصورت چھڑی رکھی گئی تھی۔ پورا دربار حاضر تھا اور انہوں نے چھوٹی باورچن لڑکی کو بھی ایک دروازے کے پیچھے کھڑی ہونے کی اجازت دے دی تھی کیوں کہ اب اُسے ''شاہی باورچن'' کا خطاب دیا جا چکا تھا۔ سب نے اپنی بہترین پوشاکیں پہن رکھی تھیں اور سب کی نظریں اُس ننھے سے مُنیالے رنگ کے پرندے پر جمی تھیں جس کی طرف دیکھ کر شہنشاہ نے سر ہلا کر ہلکا سا اشارہ کیا۔

اور بُلبُل نے ایسا میٹھا اور سُریلا گانا گایا کہ شہنشاہ کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑے اور اُس کے گالوں پر بہنے لگے۔ پھر بُلبُل نے اور بھی پرسوز اور سُریلا گانا گایا جس نے شہنشاہ کا دل موم کر دیا۔ شہنشاہ اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے اپنا ذاتی سونے کا ہار بُلبُل کے گلے میں ڈالنا چاہا لیکن بُلبُل نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔ اُسے پہلے ہی بہت سے انعام واکرام سے نوازا جا چکا تھا۔

''میں نے شہنشاہِ معظم کی آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں،'' بلبل نے کہا ''کوئی انعام اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ شہنشاہ کے آنسوؤں میں حیران کن طاقت ہوتی ہے۔ بس خدا جانتا ہے کہ یہی میرا انعام ہے!'' اور پھر وہ شاندار انداز میں دوبارہ گانے لگا۔

''یہ سب سے دلکش سُر ہے جو ہم نے کبھی سنی ہو!'' شاہی بیگمات نے کہا۔اور انہوں نے اپنے منہ پانی سے بھر لئے تا کہ وہ غرارے کر سکیں۔انہیں امید تھی کہ جب کوئی ان سے بات کرے گا تو وہ بھی شاید بلبل کے گلے کا مقابلہ کر سکیں گی۔حتیٰ کہ نوکروں، چاکروں اور باندیوں نے بھی کہا کہ وہ بلبل کے گانے سے مطمئن ہیں۔ان کا یہ کہنا بھی غنیمت تھا کیونکہ انہیں خوش کرنا سب سے زیادہ مشکل تھا۔بلا شک وشبہ بلبل نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔اسے اب شاہی دربار میں ہی رہنا تھا جہاں اس کا اپنا ایک پنجرہ تھا۔اسے دن میں دو دفعہ اور رات میں ایک دفعہ باہر جانے کی اجازت تھی۔بارہ چوبدار اس کی نگرانی کرتے۔اُن میں سے ہر ایک بلبل کی ٹانگ سے بندھی ریشمی ڈوری کو مضبوطی سے پکڑے رکھتا تھا۔اس طرح باہر جانے میں اب کیا مزہ رہ گیا تھا۔

سارا شہر اس حیرت انگیز پرندے کے متعلق باتیں کر رہا تھا.....،اور اگر کہیں دو آدمی ملتے تو ابھی پہلا بمشکل، 'بُل.....،'' ہی کہہ پاتا تھا کہ دوسرا بولتا، 'بُل!'' اور پھر وہ حیرت میں ایک سرد آہ بھرتے اور اُنہیں لفظ بولنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ یہاں تک کہ'' بُدبُد'' کے گیارہ بچوں کے نام بھی ''بُلبُل'' رکھے گئے لیکن وہ سب کے سب بے سرے نکلے۔

ایک دن شہنشاہ کو ایک بڑا ڈبہ ملا جس کے اوپر ''بلبل'' لکھا ہوا تھا۔

''یہ یقیناً ہمارے مشہور ومعروف پرندے کے متعلق ہی کوئی نئی کتاب ہو گی!'' اُس نے کہا۔ لیکن یہ کتاب نہیں تھی۔ ڈبے میں فن کا ایک نادر نمونہ تھا.....، ایک مصنوعی بُلبُل، بالکل اصل بُلبُل کی طرح.....! مگر اُس میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

''یہ سب سے دلکش سُر ہے جو ہم نے کبھی سنی ہو!'' شاہی بیگمات نے کہا۔اور انہوں نے اپنے منہ پانی سے بھر لئے تا کہ وہ غرارے کر سکیں۔انہیں امید تھی کہ جب کوئی ان سے بات کرے گا تو وہ بھی شاید بلبل کے گلے کا مقابلہ کر سکیں گی۔حتیٰ کہ نوکروں، چاکروں اور باندیوں نے بھی کہا کہ وہ بلبل کے گانے سے مطمئن ہیں۔ان کا یہ کہنا بھی غنیمت تھا کیونکہ انہیں خوش کرنا سب سے زیادہ مشکل تھا۔بلا شک وشبہ بلبل نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔اسے اب شاہی دربار میں ہی رہنا تھا جہاں اس کا اپنا ایک پنجرہ تھا۔اسے دن میں دو دفعہ اور رات میں ایک دفعہ باہر جانے کی اجازت تھی۔بارہ چوبدار اس کی نگرانی کرتے۔اُن میں سے ہر ایک بلبل کی ٹانگ سے بندھی ریشمی ڈوری کو مضبوطی سے پکڑے رکھتا تھا۔اس طرح باہر جانے میں اب کیا مزہ رہ گیا تھا۔

سارا شہر اس حیرت انگیز پرندے کے متعلق باتیں کر رہا تھا.....،اور اگر کہیں دو آدمی ملتے تو ابھی پہلا بمشکل، 'بُل.....،'' ہی کہہ پاتا تھا کہ دوسرا بولتا، 'بُل!'' اور پھر وہ حیرت میں ایک سرد آہ بھرتے اور اُنہیں لفظ بولنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ یہاں تک کہ'' بُدبُد'' کے گیارہ بچوں کے نام بھی ''بُلبُل'' رکھے گئے لیکن وہ سب کے سب بے سرے نکلے۔

ایک دن شہنشاہ کو ایک بڑا ڈبہ ملا جس کے اوپر ''بلبل'' لکھا ہوا تھا۔

''یہ یقیناً ہمارے مشہور ومعروف پرندے کے متعلق ہی کوئی نئی کتاب ہو گی!'' اُس نے کہا۔ لیکن یہ کتاب نہیں تھی۔ ڈبے میں فن کا ایک نادر نمونہ تھا.....، ایک مصنوعی بُلبُل، بالکل اصل بُلبُل کی طرح.....! مگر اُس میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

جب اُسے چابی دی جاتی تو یہ مصنوعی پرندہ اصل بُلبُل کے گانوں میں سے ایک گانا اپنی سونے اور چاندی کی چمکتی دمکتی دُم ہلا ہلا کر گا سکتا تھا۔ اُس کی گردن کے گرد ایک رِبن لٹک رہا تھا، جس پر لکھا تھا، ''شہنشاہِ چین کے بُلبُل کے سامنے شہنشاہِ جاپان کا حقیر بُلبُل''!

''کیا یہ اچھی بات نہیں!'' ہر کسی نے کہا اور جو شخص وہ مصنوعی بُلبُل لایا تھا اُسے فوری طور پر ''بُلبُل پکڑنے والے شاہی شکاریوں کا سردار'' بنا دیا گیا۔

''اب اُنہیں اکٹھے مل کر گانا گانا ہوگا.....، آہا.....، کیا شاندار ''دوگانا'' ہوگا!'' درباریوں نے کہا۔

پس اُنہیں اکٹھے مل کر گانا پڑا.....، لیکن نتیجہ کچھ اچھا نہ نکلا کیونکہ اصلی بُلبُل نے وہی کچھ گایا جو اُس کے ذہن میں آیا جبکہ مصنوعی پرندہ ایک ہی رٹا رٹایا گانا گاتا رہا۔

''یہ نئے آنے والے کی غلطی نہیں ہے!'' موسیقار نے کہا۔ ''وہ مکمل اور پورے سُر میں گاتا ہے.....، بالکل اس طرح جیسے میں نے اُسے سکھایا ہے!''

پھر اُنہوں نے مصنوعی پرندے کو اکیلے گانے دیا۔ اُسے بھی اصلی بُلبُل کی طرح بہت کامیابی ملی۔ اُس کے ساتھ ساتھ وہ دیکھنے میں بھی زیادہ خوبصورت تھا.....، چمکتے دمکتے زیورات سے سجا ہوا! تینتیس بار اُس نے بغیر تھکے وہی ایک گانا گایا۔ درباری پھر اسی گانے کی فرمائش کرنے والے تھے لیکن شہنشاہ نے کہا کہ اب اصلی بُلبُل کو بھی باری ملنی چاہیے۔ لیکن وہ تھا کہاں؟ کسی نے اُسے کھلی ہوئی کھڑکی سے اُڑ کر واپس سرسبز جنگل میں اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

''لیکن اُس نے ایسا کس وجہ سے کیا؟'' شہنشاہ نے کہا۔

تمام درباری بُلبُل کو لعن طعن کرتے ہوئے اُسے سب سے زیادہ ناشکرا کہہ رہے تھے۔

''خوش قسمتی سے ہمارے پاس سب سے اچھا پرندہ ہے!'' اُنہوں نے کہا اور مصنوعی پرندے سے ایک بار پھر گانے کو کہا۔

یہ چونتیسویں بار تھا کہ اُنہوں نے وہی طرز سُنی لیکن ابھی وہ اُنہیں اچھی طرح زبانی یاد نہیں ہوئی تھی کیونکہ اُس میں کافی مشکل سُر تھے.....،موسیقار نے مصنوعی پرندے کی بے حد تعریف کی.....،''جی ہاں.....! اُس نے کہا کہ مصنوعی بُلبُل اصلی بُلبُل سے کہیں زیادہ بہتر تھا.....،''نہ صرف اپنے پہناوے اور بہت سے خوبصورت ہیرے جواہرات کی وجہ سے بلکہ اپنے اندر کے میکانکی نظام کی وجہ سے بھی!''

''خواتین وحضرات.....،اور سب سے بڑھ کہ شہنشاہِ معظم! دیکھیے.....،اصلی بُلبُل کے متعلق تو ایک غیر یقینی کی سی حالت رہتی ہے۔لیکن اس مصنوعی پرندے سے ہر بات ایک ترتیب سے انجام پاتی ہے۔کچھ خطرہ نہیں کہ کیا ہو۔میں اس کی وضاحت کرسکتا ہوں اور ہر پرزہ الگ الگ کرکے انسانی سوچ کا اعلیٰ نمونہ پیش کرسکتا ہوں اور دِکھا سکتا ہوں کہ میکانکی گراریوں کی کیا ترتیب ہے.....،وہ کس طرح گھومتی ہیں اور کس طرح ایک دوسری کا پیچھا کرتی ہیں!''

''بالکل یہی ہمارے جذبات ہیں،''ان سب نے کہا اور پھر موسیقار کو حکم دیا گیا کہ

مصنوعی پرندہ اگلے اتوار عوام کے لئے موسیقی کی ایک محفل میں گانا گائے۔شہنشاہ نے کہا کہ اس کے عوام کو بھی گانا سننا چاہیے.....،اور سنا انہوں نے خوب! اتنی خوشی اور مزے سے کہ جیسے سب کے سب چینی فیشن میں صرف چائے پی کر ہی دُھت ہو گئے ہوں۔ ہر کسی نے ''اوہ.....،'' کہا اور اپنی انگلی اوپر اٹھالی ''جسے ہم تھالی چَٹ کہتے ہیں'' اور سر دُھننے لگا۔لیکن غریب مچھیرا جس نے اصلی بُلبُل کا گانا سنا ہوا تھا، وہ بولا ''یہ بہت خوبصورت ہے، اصل شے کے بالکل قریب.....،لیکن مکمل طور پر نہیں! مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ اس میں کسی چیز کی کمی ہے!''

اصلی بُلبُل کو دیس نکالا دے دیا گیا۔اس کی جگہ شہنشاہ کے بستر کے سرہانے مصنوعی پرندہ ایک گدی پر بیٹھ گیا۔ اس کے سارے سونے اور ہیرے جواہرات کے تحفے اس کے آس پاس پڑے تھے اور اسے ''شہنشاہ کو سلانے والا عظیم شاہی گلوکار'' کا خطاب دے دیا گیا۔ رُتبے کے اعتبار سے وہ بائیں طرف سے پہلے درجہ پر تھا کیوں کہ شہنشاہ بائیں طرف کو دل کی وجہ سے بہت اہمیت دیتا تھا۔ یعنی کہ ایک شہنشاہ کا دل بھی بائیں طرف ہی ہوتا ہے!

موسیقار نے مصنوعی پرندے کے متعلق پچیس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ وہ بہت علمی اور ضخیم کتاب تھی جو بہت مشکل چینی لفظوں سے بھری پڑی تھی۔پھر بھی سب نے کہا کہ انہوں نے وہ کتاب پڑھی ہے اور سمجھ بھی لی ہے تا کہ وہ احمق نہ سمجھے جائیں اور اپنے پیٹوں پر گھونسے کھانے سے بچ جائیں۔

ایک سال کے عرصہ بعد شہنشاہ ،اس کا پورا دربار اور دوسرے تمام چینیوں کو اس مصنوعی گانے کا لفظ لفظ یاد ہوگیا۔ اور اسی وجہ سے وہ اسے اور بھی پسند کرنے لگے تھے' کیونکہ اب وہ سب اسے خود گا سکتے تھے.....،اور وہ گاتے بھی.....! گلیوں میں لڑکے بھالے بھی گاتے پھرتے،''ذی ذی ذی.....،کلک.....،کلک.....،کلک،''اور شہنشاہ بھی اسے گاتا پھرتا! وہ گانا بہت ہی ہر دلعزیز ہوگیا۔

لیکن ایک رات جب مصنوعی پرندہ شہنشاہ کے بستر کے سرہانے اپنا بہترین گانا گا رہا تھا تو اس کے اندر کوئی چیز اٹک کر ٹوٹ گئی۔ کھڑ ڑڑڑڑڑ.....،ساری گراریاں کھل گئیں اور موسیقی بند ہوگئی۔ شہنشاہ کود کر بستر سے باہر نکلا اور اپنے شاہی طبیب کو بلا بھیجا۔ لیکن شاہی طبیب بھلا کیا کرسکتا تھا۔ پھر شہنشاہ نے گھڑی ساز کو طلب کیا۔ جس نے حکم کی تعمیل کی اور چھان بین کر کے پرندے کو ایک خاص انداز میں جوڑ جاڑ دیا۔ لیکن گھڑی ساز نے کہا کہ پرندے کو زیادہ تھکایا نہ جائے کیوں کہ گراریوں کے دندے بہت بری طرح سے گھس چکے تھے اور اگر انہیں تبدیل کیا گیا تو اس سے گانے کی طرز اور سر خراب ہوجائے گی۔ یہ بہت برا ہوا تھا۔ سال بھر میں صرف ایک بار وہ پرندے سے گانا سن سکتے تھے اور وہ بھی اُس کے لئے بہت زیادہ تھا۔ لیکن موسیقار نے بہت ہی مشکل چینی لفظوں سے بھری تقریر دے ماری جس کے معنی یہ تھے کی پرندہ اتنا ہی ٹھیک ہے جتنا کہ تھا۔ گویا اس کے کہنے سے ہی پرندہ اتنا ٹھیک ہوگیا جتنا کہ ہوسکتا تھا۔

پانچ سال گزر گئے اور پورے ملک کو غم نے آگھیرا۔ چینی اپنے شہنشاہ سے پیار

کرتے تھے اور اب شہنشاہ بیمار ہو گیا تھا۔ کہا گیا کہ وہ اتنا بیمار ہے کہ موت کے قریب ہے۔ جلدی میں ایک نیا شہنشاہ منتخب کیا گیا۔ لوگ شاہی محل والی سڑک پر جمع تھے۔ اور معتمدِ خاص سے شہنشاہ کی حالت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ''پی!'' اس نے کہا اور اپنا سر جھٹک دیا۔

شہنشاہ اپنے شاندار شاہی بستر پر ٹھنڈا پیلا پڑا ہوا تھا۔ تمام درباریوں نے سوچا کہ وہ مر گیا ہے اور نئے شہنشاہ کو کورنش بجالانے چل دیئے۔ نوکر چاکر افواہوں کا ادل بدل کرنے چلے گئے اور باندیوں نے کافی کی دعوت اڑانی شروع کر دی کیونکہ یہ موقع ہی ایسا تھا۔ کمروں اور راہداریوں کے فرشوں پر دبیز چٹائیاں بچھا دی گئیں تھیں تا کہ قدموں کی چاپ کو دبایا جا سکے۔ شاہی محل میں خاموشی تھی.....موت کی خاموشی! لیکن شہنشاہ ابھی مرا نہیں تھا۔

وہ پیلا پڑا ہوا اپنے عظیم شاہی بستر میں مخواب کے دبیز پردوں.....جن پر بھاری بھر کم سنہری جھالریں لٹک رہی تھیں، کے ساتھ اکڑا ہوا لیٹا تھا۔ سب سے اوپر والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور چاند کی کرنیں شہنشاہ اور مصنوعی بلبل پر پڑ رہی تھیں۔

بیچارہ شہنشاہ سانس بھی مشکل سے لے رہا تھا۔ یہ ایسے تھا جیسے کوئی بھاری شے اُس کی چھاتی پر بیٹھی ہوئی ہو۔ آنکھیں کھولتے ہوئے شہنشاہ نے دیکھا کہ موت وہاں اُس کا تاج پہنے.....، اُس کی سونے کی تلوار پکڑے.....، اور اُس کا ریشم کا پرچم تھامے بیٹھی تھی۔ شاندار مخواب کے دبیز پردوں کی تہوں میں شہنشاہ کو کچھ عجیب سے مانوس چہرے نظر آئے۔

کچھ نہایت خوفناک اور کچھ مہربان اور شفیق! دراصل وہ شہنشاہ کے اعمال تھے.....، اچھے اور بُرے اعمال! جواب اُس کی طرف واپس آ گئے تھے جب موت اُس کے دل پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیا تمہیں یاد نہیں؟'' اُن چہروں نے یکے بعد دیگرے سرگوشی کی۔ ''کیا تمہیں یاد نہیں؟'' اور اُنہوں نے شہنشاہ کو وہ باتیں یاد دلائیں جنہیں سُن کر اُس کی پیشانی ٹھنڈے پسینے سے تر ہوگئی۔

''نہیں.....، ہم کچھ یاد نہیں کریں گے!'' شہنشاہ نے کہا۔

موسیقی.....، موسیقی شروع کرو.....، چین کا عظیم ڈھول بجاؤ.....، تا کہ ہم اِن چہروں کی بات نہ سُن سکیں!'' لیکن اُن چہروں نے سرگوشیاں جاری رکھیں اور موت ہر ہر لفظ پر بالکل چینی فیشن میں سر ہلاتی رہی۔

''موسیقی.....، موسیقی شروع کرو!'' شہنشاہ پکارا۔

''گاؤ.....، ہمارے نادر ننھے سُنہری پرندے.....، گاؤ!'' ہم نے تمہیں سونا چاندی اور نایاب تحفے دیئے.....، ہم نے اپنا سونے کا سنہری ہار تمہارے گلے میں ڈالا' گاؤ' .....، گاؤ.....، ہم تمہاری منّت کرتے ہیں.....، گاؤ!''

لیکن پرندہ بالکل خاموش رہا۔ اُسے تو اب چابی دینے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ اور اُسے گانے کے لئے تیار کرنے والا کوئی تھا ہی نہیں۔ موت اُس کی بڑی بڑی خالی آنکھوں میں گھور رہی تھی۔ مکمل خاموشی تھی.....، موت کی خاموشی!

اچانک کھڑکی میں سے گانے کی آواز آئی۔ یہ زندہ ننھا بُلبُل تھا جو باہر ایک شاخ پر بیٹھا تھا۔ اُس نے شہنشاہ کی بُری حالت کے متعلق خبر سُن لی تھی اور وہ اُسے آرام اور امید دلانے کے لئے گانا سُنانے آیا تھا۔ جونہی وہ گاتا گیا، وہ خوفناک سائے پیلے پڑتے گئے.....، اور زیادہ پیلے پڑتے گئے اور شہنشاہ کے نحیف ونزار جسم میں خون کی گردش تیز سے تیز تر ہوتی گئی' یہاں تک کہ موت نے بھی گانے پر اپنے کان لگا دیئے اور کہنے لگی، ''گاتے رہو.....، گاتے رہو ننھے بُلبُل.....، گاتے رہو!''

''لیکن!'' ننھے بُلبُل نے موت سے کہا۔ ''کیا تم وہ تلوار.....، وہ پرچم.....، اور شہنشاہ کا وہ تاج واپس دے دوگی؟''

اور موت نے اس ایک گانے کے بدلے وہ سب قیمتی چیزیں واپس لوٹا دیں۔ بُلبُل گاتا رہا۔ اس نے قبرستان کے متعلق گایا جس میں سفید گلاب اُگے ہوئے ہوں.....، جہاں بڑے بڑے پھول ہوا کو میٹھی اور خوشبو دار بناتے ہیں.....، اور جہاں گھاس ہمیشہ سرسبز رہتی ہے اور مرنیوالوں کے پسماندگان کے آنسوؤں سے تر بتر رہتی ہے۔ تب موت کو قبرستان کے باغیچے کی یاد ستانے لگی اور وہ ٹھنڈی یخ بستہ دھند کی طرح کھڑکی سے باہر نکل گئی۔

''تمہارا شکریہ.....، شکریہ!'' شہنشاہ نے کہا۔ ''ننھے بہشتی پرندے.....، ہم تمھیں بہت دیر پہلے سے جانتے ہیں.....، ہم نے تمہیں ایک بار دیس نکالا دیا تھا.....، پھر بھی تم نے اپنے گانے سے اُن بھیانک چہروں کو ہمارے بستر سے اور موت کو ہمارے دل

سے دور بھگا دیا۔ ہم تمہیں اس کی قیمت کس طرح چکائیں؟''

''آپ پہلے ہی مجھے انعام سے نواز چکے ہیں!'' بُلبُل نے کہا۔''جب پہلی بار میں نے آپ کے لئے گانا گایا تھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ ایک گلوکار کے دل کے لئے وہ آنسو کسی بھی قیمتی پتھر سے زیادہ بیش بہا ہوتے ہیں۔ لیکن اب آپ سو جائیں.....،اور پھر سے تازہ دم اور طاقت ور ہو جائیں جبکہ میں گانا گاتا ہوں!''اور وہ گاتا رہا حتیٰ کہ شہنشاہ لمبی میٹھی، پرسکون، آرام دہ نیند میں چلا گیا۔

جب شہنشاہ تازہ دم اور بخیریت جاگا تو سورج اُس کی کھڑکی میں چمک رہا تھا۔ اُس کے نوکروں چاکروں میں سے ایک بھی اس کے پاس نہ لوٹا تھا کیونکہ وہ تو سمجھے تھے کہ شہنشاہ مر چکا ہے.....،لیکن بُلبُل اب تک گا رہا تھا۔

''تمہیں ہمیشہ ہمارے پاس رہنا ہوگا!''شہنشاہ نے کہا۔ ''صرف جب تمہارا جی چاہے،تم گانا.....،ہم مصنوعی پرندے کے ہزاروں ٹکڑے کر دیں گے!''

''نہیں!''بُلبُل نے کہا۔ ''اس نے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتا تھا آپ اسے اپنے پاس رکھیں۔ میں یہاں اپنا گھونسلہ نہیں بنا سکتا.....،نہ ہی محل میں رہ سکتا ہوں۔ آپ بس مجھے میری مرضی کے مطابق آنے جانے دیا کریں۔ پھر میں آپ کی کھڑکی کے باہر شاخ پر بیٹھ کر آپ کے لئے ایسے ایسے گیت گاؤں گا جو آپ کو خوش بھی کریں گے اور آپ سے غور و فکر بھی کروائیں گے۔ میں ان کے متعلق گاؤں گا جو خوش و خرم ہیں اور ان کے متعلق بھی جو غمگین ہیں.....،میرے گیت آپ کو ان سب اچھی اور بری باتوں کے متعلق بتایا کریں گے

جو آپ نہیں دیکھ سکتے۔ ایک ننھا گانے والا پرندہ دور دراز اڑتا پھرتا ہے.....، مچھیرے کی جھونپڑی تک .....، کسان کے گھر تک.....، آپ سے اور آپ کے دربار سے بہت دور.....، بہت سی دوسری جگہوں تک! میں آپ کے تاج کی نسبت آپ کے دل سے زیادہ پیار کرتا ہوں حالانکہ تاج پر بھی بہت سی رحمتیں ہیں۔ میں آتا رہوں گا اور آپ کے لئے گاتا رہوں گا اگر آپ مجھ سے ایک بات کا وعدہ کریں!''

''ہمارے پاس جو کچھ ہے تمہارا ہے!'' شہنشاہ بولا' جو اپنی شاہی خلعت پہنے کھڑا تھا جو اس نے خود ہی پہنی تھی.....، اس نے اپنی سونے کی تلوار اپنے دل کے قریب تھام رکھی تھی۔

''صرف ایک بات!'' بُلبُل نے درخواست کی،'' آپ کسی کو بھی نہیں بتائیں گے کہ آپ کے پاس ایک ننھا پرندہ ہے جو آپ کو ہر بات بتاتا ہے۔ یہ راز آپ کے لیے بہت فائدہ مند ہوگا!'' یہ کہہ کر بلبل دور اُڑ گیا۔

نوکر چاکر اپنے مردہ شہنشاہ کو دیکھنے کے لئے آئے.....، اور ابھی وہ اندر داخل ہی ہوئے تھے کہ شہنشاہ نے کہا' ''.....صبح بخیر!''

رومانیہ

ناشُکرا لکڑہارا

ترجمہ: نصر ملک

ایک دفعہ ایک گاؤں میں ایک لکڑہارا رہتا تھا جو اتنا غریب تھا کہ اُس کی کل ملکیت صرف وہ ایک کلہاڑا تھا جس کی مدد سے وہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ وہ تمام پورے دن میں بمشکل چند کوڑیاں کماپاتا اور اِس کے لئے بھی اُسے اور اُس کی بیوی کو صبح سویرے بہت جلدی جاگنا پڑتا اور رات کو بہت دیر سے سونا پڑتا تاکہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے کھانے کا بندوبست کرسکیں..... اُن دونوں میاں بیوی کو گھڑی بھر بھی آرام میسر نہیں تھا۔

''مَیں کیا کروں؟'' اُس نے ایک دِن کہا، ''میرا تھکاوٹ سے بُرا حال ہے۔ میرے بیوی بچوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے، مجھ میں مزید اَپنے کلہاڑے کو تھامنے کی

اِتنی طاقت نہیں ہے کہ مَیں اَپنے خاندان کے لئے صرف کڑوی کالی روٹی ہی کما سکوں۔ آہ! یہ غریبوں کی بہت بدقسمتی ہوتی ہے جب وہ اِس دنیا میں لائے جاتے ہیں۔''

جب وہ اِس طرح سے آہ و بکا کر رہا تھا تو ایک آواز نے ہمدردانہ لہجے میں اُسے بُلایا: ''تم کس بات کی شکایت کر رہے ہو؟''

''مَیں شکایت نہ کروں تو کیا کروں جبکہ میرے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے؟'' اُس نے کہا۔ ''گھر جاؤ،'' آواز نے کہا، ''اَپنے باغ کے کونے پر سے زمین کھودو تو تمہیں ایک مُرجھائے ہوئے دَرخت کے نیچے ایک خزانہ ملے گا۔''

جب لکڑہارے نے یہ سُنا تو وہ گھٹنوں کے بَل جُھک گیا اور چلّانے لگا: ''آقا آپ کا نام کیا ہے؟ اِتنے نرم دل والے آپ کون ہیں؟''

''میرا نام مرلِن ہے،'' اُس آواز نے کہا۔

''آہ! آقا..... خدا تم پر رحمت کرے گا اَگر تم میری مدد کرو گے اور ایک غریب خاندان کو مُحتاجی سے بچاؤ گے۔''

''جلدی سے جاؤ،'' آواز نے کہا، ''اور ایک سال کے بعد پھر اِس جگہ واپس آؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے اُن پیسوں کے ساتھ کیا کیا ہے جو تمہیں باغ کے کونے سے ملیں گے۔''

''ماسٹر، مَیں ایک سال کے بعد واپس آؤں گا، یا ہر روز اَگر تم مجھے حکم دو گے۔''

پس وہ گھر چلا گیا، اُس نے بتائی گئی جگہ کو کھودا اور وہاں اُسے بتایا گیا خزانہ مِل گیا۔

اَب مَیں اُس کی اور اُس کے خاندان کی خوشی کی اِنتہا کو دیکھنا آپ پر چھوڑ دیتا ہوں۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے ہمسائے جان جائیں کہ وہ اَچانک اِتنا اَمیر ہو گیا ہے..... اُس نے جنگل میں جانا جاری رکھا اور آہستہ آہستہ غریبی سے اَمیری کی طرف بڑھتا گیا۔

سال کے آخر میں وہ معاہدے کے مطابق جنگل میں گیا۔ اُس آواز نے کہا، ''آخر کار تم آ ہی گئے!''..... ''ہاں، ماسٹر.....'' ''اور اَب تم کیسے ہو؟''، ''آقا، میرے خاندان کے پاس اَچھا کھانا اور کپڑے ہیں اور ہم ہر روز آپ کا شکریہ اَدا کرتے ہیں۔'' ''اَچھا، اَب تم مالی لحاظ سے بہت بہتر ہو؛ لیکن مجھے بتاؤ کیا تمہیں کسی اور چیز کی خواہش ہے؟''

''آہ..... ہاں..... آقا، مَیں اَپنے گاؤں کا مئیر بننا چاہوں گا۔''

''ٹھیک ہے چالیس دِنوں میں تم مئیر بن جاؤ گے۔'' ''اوہ، ہزاروں مرتبہ شکریہ، میرے محافظ، تم اِتنے اَچھے ہو جتنی کہ تازہ بنائی گئی روٹی۔''

دوسرے سال اَمیر لکڑہارا نئے کپڑے پہنے اور اَپنی کمر کے گرد مئیر کا سکارف باندھے جنگل میں گیا۔

''جناب مرلن،'' اُس نے آواز دی، ''آیئے اور میرے ساتھ بات کیجئے۔''

''مَیں یہاں ہوں،'' آواز نے کہا، ''اَب آپ اور کیا چاہتے ہیں؟''

''کل ہمارا بشپ فوت ہو گیا اور میرا بیٹا آپ کی مدد سے اُس کی جگہ لینا چاہے گا۔

ایک نئی عنایت ہوگی، ..... مَیں پھر آپ کی مہربانی چاہتا ہوں۔''

''چالیس دِنوں میں اَیسا ہو جائے گا،'' مرلِن نے کہا۔

اُسی طرح چالیس دِنوں میں اُس کا بیٹا بشپ بن گیا لیکن وہ پھر بھی مطمئن نہیں تھے۔

تیسرے سال کے آخر میں لکڑہارے نے پھر اَپنے محافظ کو تلاش کیا اور آہستہ آواز میں بولا۔ ''مرلِن، کیا تم پھر میرے لئے ایک اور کام کرو گے؟''

''اَب کیا ہے؟'' آواز نے کہا۔

''میری بیٹی ایک ڈائریکٹر کی بیوی بننا چاہتی ہے۔'' اُس نے کہا۔

''ٹھیک ہے ..... اَیسا ہو جائے گا،'' مرلِن نے جواب دیا، چالیس دِنوں میں شادی ہو جائے گی۔'' اور پھر اَیسا ہو ہی گیا۔

پھر لکڑہارے نے اِس طرح اَپنی بیوی سے بات کی: ''مَیں کیوں دوبارہ جنگل میں جاؤں اور اُس مخلوق سے بات کروں جسے مَیں نے کبھی نہیں دیکھا؟ اَب مَیں بہت اَمیر ہوں، میرے بہت سارے دوست ہیں اور مَیں ایک معزز شخص ہوں۔''

''ایک بار پھر جاؤ،'' اُس نے کہا، ''تمہیں اُسے ایک اَچھے دِن کی دعا دینی چاہیے اور اُس کی مہربانیوں کا شکریہ اَدا کرنا چاہیے۔''

پھر لکڑہارا اَپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اُس کے ساتھ دو نوکر بھی تھے، اُس نے جنگل

میں داخل ہوتے ہی چلّانا شروع کر دیا، ''مرلاٹ! مرلاٹ! مجھے مزید تمہاری ضرورت نہیں ہے کیونکہ اَب مَیں بہت اَمیر ہوں۔'' مرلِن نے جواب دیا، ''اَیسا لگتا ہے کہ تم وہ وقت بھول گئے ہو جب تمہارے پاس کھانے کو کچھ زیادہ نہیں تھا، تمہارے پاس صرف ایک کلہاڑا تھا اور تم بمشکل ایک دِن میں چند کوڑیاں کما پاتے تھے! جب مَیں نے تم پر پہلی عنایت کی تو تم اَپنے گھٹنوں کے بَل گر گئے اور مجھے 'آقا' کہا، اور دوسری کے بعد تم تھوڑے سے کم شکر گزار ہو گئے اور تم نے کہا 'جناب'؛ اور تیسری کے بعد.....صرف 'مرلِن' اور اَب تم نے مجھے صرف 'مرلاٹ' کہہ کر مخاطب کرنے کی جرأت کی ہے! تمہارا خیال ہے کہ تم اَب اَچھے خاصے اَمیر ہو گئے ہو.....اور اَب تمہیں مزید میری ضرورت نہیں ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ لیں گے! تم ہمیشہ سے بد دل اور اَحمق رہے ہو.....اَب تم اور بھی زیادہ اَحمق اور غریب ہو جاؤ گے.....بالکل ایسے ہی جیسے تم پہلے تھے.....جب مَیں تم سے اپنی دی ہوئی ہر شے واپس لے لوں گا۔'' اَمیر آدمی ہنسنے لگا.....اَپنے کندھے اُچکائے اور جو کچھ اُس سے کہا گیا اُس کے کسی لفظ پر بھی یقین نہ کیا۔

وہ اَپنے گھر واپس چلا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اُس کا بیٹا جو کہ بشپ بنا تھا، فوت ہو گیا۔ اُس کی بیٹی، ڈائریکٹر کی بیوی بھی شدید بیمار رہنے کے بعد مر گئی۔ مزید بدقسمتی اُس پر یوں آئی کہ جنگ چھڑ گئی اور فوجیوں کا جو بھی دستہ اُس علاقے سے گزرتا، اُس میں شامل فوجی اُس کے گھروں میں گھسے.....اُس کے گوداموں میں پڑی شراب پی گئے.....اُس کی مکئی کے غلے کو کھا پی گئے اور باقی ماندہ اُس کے جَو کے کھیتوں کو آگ لگا

دی.....پھر جاتے جاتے اُس کے گھر کو بھی جلا کر راکھ کر ڈالا۔ اِس طرح وہ گوڑی کا ندر ہا اور بالکل بیکار ہوگیا.....پھر جب سالانہ محصُولات جمع کروانے کا وقت آیا تو اُس کے پاس کچھ نہ بچا ہونے کی وجہ سے وہ اَپنا رَہا سہا فارم بھی بیچ ڈالنے پر مجبور ہوگیا۔

''دیکھو'' ناشُکرے آدمی نے روتے ہوئے کہا۔''میں نے اَپنا سب کچھ کھو دیا۔میرے پاس کچھ نہیں بچا.....میرا مال و دولت.....میرے کھیت.....میرا گھر.....میرے بچے! میں نے مرلن کی بات پر یقین کیوں نہ کیا؟ اَب میرے لئے صرف مرنا ہی باقی رہ گیا ہے.....کیونکہ میں یہ کتے جیسی زندگی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''نہیں.....نہیں!''اُس کی بیوی نے کہا،''ہمیں دوبارہ کام شروع کرنا ہوگا۔''

''لیکن کس کے ساتھ؟.....ہمارے پاس تو ایک گدھا بھی نہیں بچا!''

''اَب ہم صرف اُسی کے ساتھ کام شروع کر سکتے ہیں جو کچھ بھی خدا ہمیں میسر کر دے!''اُس کی بیوی نے کہا۔

خدا نے اُنہیں صرف ایک ٹوکری میسّر کی جو کہ اُنہوں نے اپنے ایک ہمسائے سے اُدھار لی۔اپنے سر پر ٹوکری رکھے.....اور ہاتھ میں کُلہاڑا پکڑے.....وہ لکڑہارا ایک بار پھر جنگل کی جانب اِس کوشش میں چل پڑا کہ اپنے اور اپنی بیوی کے لئے چند ٹکے کما سکے۔ اِس کے بعد اُس نے مرلن کی آواز کبھی دوبارہ نہ سُنی !!

سکاٹ لینڈ

لڑکی اور کتابیں

ترجمہ: نصر ملک

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک لڑکی تھی، جس کا نام بینا تھا۔ وہ پڑھنے سے نفرت کرتی تھی اور کتابوں سے بھی اُسے نفرت تھی۔ ''یہ ہر جگہ راہ میں پڑی رہتی ہیں'' وہ یہی کہتی رہتی تھی۔ اور یہ سچ بھی تھا، کیونکہ اس کے گھر میں ہر طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ نہ صرف الماریوں میں کتابیں بھریں تھیں بلکہ ہر اُن جگہوں پر بھی کتابیں تھیں جہاں انہیں نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ یہاں تک کہ باتھ روم میں بھی تھیں۔

بینا کے والدین ہمیشہ کتابوں پہ کتابوں گھر لاتے رہتے تھے۔ وہ کتابیں خریدتے، کتب خانوں اور دوستوں سے حاصل کرتے اور دکانوں سے آرڈر پر منگواتے تھے۔

وہ جب بھی بنیا سے پوچھتے کہ کیا وہ کتابیں پڑھنا چاہتی ہے تو وہ زور سے اپنے پاؤں فرش پر مارتی اور چلّانا شروع کر دیتی ''نہیں،نہیں!میں کتابیں نہیں پڑھوں گی!!''

اس گھر میں بینا کے بعد جو سب سے زیادہ کتابوں سے زیادہ نفرت کرتا تھا وہ بینا کا پالتو بلّا تھا ۔اس کا نام ماکس تھا۔ماکس جب ابھی بچہ ہی تھا تو ایک دن اٹلس کی ایک بھاری بھرکم کتاب اُس کی دُم پر آن گری تھی جس سے اُس کی دُم ایسی ٹیڑھی ہوگئی تھی کہ وہ اب تک کبھی سیدھی نہیں ہو پائی۔ تب سے ماکس ہمیشہ کتابوں سے دور رہتا تھا۔

ایک دن صبح سویرے بینا اپنے لیے اور ماکس کے لیے ناشتہ بنانے، باروچی خانہ میں گئی۔یہاں پہلے تو اسے انسائیکلوپیڈیا کی موٹی موٹی کتابوں پر سے گزرنا پڑا۔پھر جب اُس نے فریج کو کھولا تو وہاں بھی کتابیں پڑی تھیں۔ اُس نے انہیں وہاں سے اٹھا کر باہر پھینکا تا کہ دودھ کا ڈبہ نکال سکے۔

اب اُس نے اپنے بلّے کو بلایا '' ماکس، ماکس! آؤ ناشتہ تیار ہے ۔'' لیکن ماکس نہیں آیا تھا۔ ''وہ کہاں ہوسکتا ہے؟'' بینا بڑی حیران تھی۔ اچانک اُسے ایک اونچی آواز سنائی دی۔

بینا بھاگ کر طعام خانے میں پہنچی۔ بلّا وہاں تھا اور گھر میں موجود کتابوں کے سب سے اُونچے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہی کتابیں تھیں جو بینا کے والدین نے اُس کے لیے خریدیں تھیں لیکن اُس نے انہیں پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔

''ماکس!فکر مت کرو۔'' بینا بلّے سے بولی۔ ''میں تمھیں بچاؤں گی۔'' اب بینا

بھی کتابوں کے انبار پر چڑھ رہی تھی۔ پہلے تو یہ آسان تھا کیونکہ تصویری کتابوں کی جلدیں مضبوط تھیں اور وہ اُن پر آسانی سے چڑھ سکتی تھی لیکن، جب وہ عام کاغذی جلدوں والی کتابوں تک پہنچی تو اُس کا پاؤں پھسل گیا۔

دھڑام ۔۔۔۔ ساری کتابیں گر کر اِدھر اُدھر بکھر گئیں۔ اُن کی جدیں ٹوٹ گئیں اور کئی ایک کے صفحے پھٹ گئے۔اب وہ فرش پر پڑی تھیں لیکن، وہاں بڑی عجیب وغریب چیزیں رونما ہو رہی تھی۔کتابوں کے پھٹے ہوئے صفحوں کے اندر سے پہلے لوگ اور پھر مختلف قسم کے حیوانات باہر نکل کر فرش پر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ اب وہاں شہزادے اور شہزادیاں تھیں، پریاں اور مینڈک تھے،ایک بھیڑیا اور تین سور اور ایک بونا تھا۔ وہاں راج ہنس بھی تھا اور ایک گلابی جراف بھی۔لیکن وہاں خرگوش سب سے زیادہ تھے جو اِدھر اُدھر دوڑ پھر رہے تھے ۔جنگلی خرگوش،کالے اور سفید خرگوش اور ہیٹ پہنے ہوئے خرگوش، کئی مختلف اقسام کے خرگوش تھے۔

بینا ان سب کے درمیان میں بیٹھی ہوئی ان عجیب وغریب جانوروں کو دیکھ رہی تھی۔ ''میں تو سمجھتی تھی کہ اِن کتابوں میں خرگوش نہیں بلکہ حروف ہوتے ہیں۔'' وہ بولی۔ وہ ابھی تک حیران اپنے اردگرد دیکھ ہی رہی تھی کہ چھ اور خرگوش اس کے پیچھے سے کتابوں میں سے باہر نکل کر اُس کے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔

اب وہ اپنے طعام خانے کو بلکل پہچان ہی نہیں سکتی تھی۔ ہاتھی میز پر ناچ اور جھوم رہا تھا اور پلیٹوں کو اپنی سُونڈ سے پکڑ کر ہوا میں اچھال رہا تھا۔ بندروں نے کھڑکیوں کے

پردے پھاڑ کر نیچے گرا دیئے تھے اور اب اُن کی پگڑیاں بنا کر پہننے والے تھے۔

''رکو!'' بینا غصّے سے چلّائی۔ ''واپس جاؤ!'' وہ بولی۔ لیکن وہاں تو اتنا شور تھا کہ کسی نے بھی اُس کی آواز نہ سنی۔ اُس نے جھپٹ کر ایک خرگوش کو پکڑا اور اُسے کھانا بنانے کی ترکیبوں والی ایک کتاب کے اندر رکھ کر زور سے دبایا۔ لیکن خرگوش زور لگا کر وہاں سے نکلا اور دور بھاگ گیا۔

''اس طرح کام نہیں چلے گا۔'' بینا بولی۔ ''مجھے یہ تو معلوم ہی نہیں کہ کونسا جانور کس کتاب سے نکلا ہے۔'' اُس نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ ''ہاں! اب میں کچھ نا کچھ تو ضرور کروں گی، میں ان ہی سے پوچھتی ہوں کہ کون، کونسی کتاب سے باہر نکلا ہے۔''

بینا نے ایک بھیڑیئے کو میز کے نیچے چُھپا دیکھا جو بڑبڑا رہا تھا۔ ''میں نجانے کہاں سے اور کیسے یہاں آ گیا ہوں۔'' اب اُس نے اپنی گردن بڑھا کر میز پوش کو منہ میں لے لیا۔ لیکن بینا اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اُس نے تو کبھی کسی کتاب سے کوئی بھی کہانی نہیں پڑھی تھی۔

اب بینا کو ایک نیا خیال آیا۔ اُس نے ایک قریبی کتاب اُٹھائی اور اُسے اونچی آواز میں پڑھنا شروع کیا ---- ''ایک دفعہ کا ذکر ہے،'' وہ پڑھتی جا رہی تھی۔ ''دور دراز کسی ایک مُلک میں --------''

اب جانوروں نے اچھلنا کودنا بند کر دیا تھا اور وہ بک بک بھی نہیں کر رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ بینا کے قریب آنے لگے اور اس کے گرد ایک گھیرے میں بیٹھتے گئے۔

اب وہ بڑی خاموشی اور توجہ سے، وہ کہانی سن رہے تھے جو بینا کتاب سے پڑھ رہی تھی۔ بینا نے جب کتاب کا دوسرا صفحہ پڑھنا شروع کیا تو بندر اچھل پڑے، ''یہ ہم ہیں'' وہ چلّا رہے تھے، ''یہ صفحہ ہمارا ہے اور ہمارے ہی بارے میں ہے۔'' وہ چھلانگیں لگاتے ہوئے، کتاب پر جا گرے اور یکے بعد دیگرے غائب ہوتے گئے۔ اب وہ سبھی غائب ہو چکے تھے۔ بینا یہ دیکھ کر حیران ہوگئی تھی لیکن اُن نے کتاب پڑھنی جاری رکھی۔ وہ مسلسل پڑھتی جا رہی تھی اور سارے جانور، ایک ایک کر کے غائب ہوتے جا رہے تھے۔ اُن سب کو معلوم ہوتا جا رہا تھا کہ وہ کہاں سے ہیں اور انھیں کہاں جانا ہے۔

آخر میں اب نیلا کوٹ پہنے ہوئے صرف ایک چھوٹا خرگوش کمرے میں باقی رہ گیا تھا۔ ''مجھے یہ خرگوش اپنے ہی پاس رکھنا چاہیئے۔'' بینا نے سوچا۔ سب جانوروں کے چلے جانے کے بعد وہ اپنے آپ کو یکدم اکیلی سمجھنے لگی تھی۔ لیکن چھوٹا خرگوش بھی اپنے گھر جانا چاہتا تھا۔ ایک لمبی آہ بھرتے ہوئے، بینا نے اب آخری کتاب کھولی اور خرگوش چھلانگ لگا کر اس میں جا بیٹھا۔

صرف کمرے میں ہی نہیں بلکہ اب پورے گھر میں گہری خاموشی تھی۔ ''میں اب ان میں سے کسی ایک کو بھی دوبارہ کبھی نہیں دیکھ سکوں گی۔'' بینا زیر لب بولی۔ اور پھر اچانک اُسے خیال آیا کہ ساری کتابیں تو ابھی تک اُس کے اردگرد بکھری پڑی تھیں۔ بینا مسکرا رہی تھی۔

بینا کے ماں باپ شام کو جب اپنے کام سے گھر واپس لوٹے تو انھیں اپنی آنکھوں پر

یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ کمرے میں ہر جگہ کتابیں بکھری پڑی تھیں، وہ حیران اِس بات پر تھے کہ بینا کمرے کے درمیان بیٹھی، اردگرد سے بے خبر، ایک کتاب پڑھ رہی تھی۔

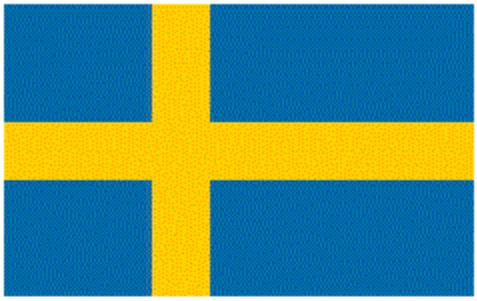

سویڈن

آدمی جس نے ڈر کی جستجو کی

ترجمہ: نصر ملک

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی تھا، جس کا نام یوناس تھا۔ وہ دنیا میں کسی بھی شے سے بالکل نہیں ڈرتا تھا۔ اگر کوئی اُسے اپنا کوئی ایسا ایک خواب سناتا جس میں اُس نے جن بھوت، چڑیلیں یا بدروحیں دیکھی ہوں تو، یوناس اُس پر ہنس دیتا۔ وہ اپنی زندگی میں ایک نہ ایک بار کسی جن بھوت یا بدروح کے آمنے سامنے آنے کی خواہش رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ باہر دنیا میں جائے اور ویرانوں اور آسیب زدہ جگہوں پر جنّوں بھوتوں اور بدروحوں کو تلاش کرے۔

جب وہ سفر کر رہا تھا تو اسے معلوم ہوا کہ دور جنگل میں ایک ایسا گھر ہے جہاں کوئی

بھی نہیں رہتا کیونکہ وہاں ایک بدروح کا بسیرا ہے۔ جب کبھی کسی بہادر آدمی نے وہاں رات کو ٹھہرنا چاہا، یا تو وہ بھاگ گیا یا پھر اگلے دن اُس کے گلے میں پھندا پڑے، اسے مردہ پایا گیا۔ یہاں تک کہ دن کے وقت بھی کوئی اُس مکان کے اندر جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

یوناس نے وہ گھر تلاش کرلیا، اور اس کے پڑوس میں رہنے والے لوگوں سے شیخیاں بگھارنے لگا۔ ''مجھے کوئی نہیں ڈرا سکتا، میں پہلا شخص ہوں گا جو اس آسیب زدہ گھر میں پوری رات گزاروں گا۔ میں دیکھوں گا کہ کون جن، بھوت یا بدروح مجھے ڈراتی یا مار دیتی ہے۔'' وہ بڑے جوش میں تھا۔ مکان کے مالک نے اُس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ ایک رات گزار لے گا تو وہ اُسے پندرہ کرونے دے گا۔ اتنے زیادہ پیسے ملنے کے متعلق اپنے دماغ میں سوچتے ہوئے، یوناس رات گزارنے کے لیے وہاں پہنچا۔

وہ گھر کے اندر داخل ہوا، اور مکان مالک نے اسے اکیلا اندر چھوڑ کر، باہر سے مکان کے دروازے کو تالا لگا دیا۔ گھر کے اندر اُسے لوہے کا بنا ہوا ایک پلنگ، ایک ٹوٹا پھوٹا چولھا، کچھ لکڑیاں اور ایک گلدان جس کا دستہ ٹوٹا ہوا تھے، ملے۔ وہ کچھ دیر کے لیے ایسے ہی وہاں بیٹھا رہا اور پھر اُس نے آگ جلانے کا ارادہ کیا۔ اُس کے پاس گوشت کا ایک ٹکڑا تھا جسے اُس نے آگ پر بھوننا شروع کرنا۔ رات کے پہلے پہر اُس نے کچھ آوازیں سنیں ''۔۔۔آرغ، آرغ ۔۔۔۔آرغ۔۔۔آ ۔۔ر ۔۔غ''، اور پھر اُس نے دیکھا کہ چمنی کے سوراخ سے ایک آدمی کا آدھا دھڑ نکل کر نیچے گر پڑا ہے۔

''اچھا، تو مجھے مارو''، یوناس نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں کم وبیش اپنا

گوشت کا ٹکڑا بھون چکا ہوں، اور خدا نے مجھے کچھ اور بھی دے رکھا ہے۔"

چند ہی منٹ کے بعد، یوناس نے دیکھا کہ آدمی کے دھڑ کے اوپر کا حصہ بھی چمنی کے سوراخ سے نیچے گر پڑا ہے۔ یوناس یہاں تھا وہیں بیٹھا اپنے گوشت کا ٹکڑا بھونتا رہا۔ جب وہ بھون چکا تو اُس نے اسے کھانا شروع کر دیا۔ اُدھر آدمی کے دونوں آدھے آدھے دھڑ اچانک آپس میں ایک دوسرے کے اوپر مل گئے تھے اور اب وہاں ایک مکمل آدمی کھڑا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو" یوناس نے پوچھا۔ وہ اپنا گوشت ختم کر چکا تھا۔ آدمی کچھ نہ بولا لیکن اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

"ہیلو!" یوناس نے کہا اور سوچا کہ آدمی کو اپنا تعارف تو کرانا چاہیئے۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر گرمجوشی سے آدمی کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ملاتے ہوئے تھوڑا سا ہلایا۔ آدمی کا ہاتھ برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔ یوناس آدمی کو چولھے کے قریب لے آیا اور اُسے حرارت پہنچانے کے لیے اُس نے چولھے میں آگ تیز کر دی۔ آدمی نے جتنی دیر میں کچھ تھوڑی سی گرمائش پکڑی، وہ بہت دیر ہو چکی تھی۔ یوناس لوہے کے پلنگ پر جا لیٹا اور اپنے اوپر ایک کمبل اُوڑھ لیا۔

اُس نے آدمی کو کہا کہ وہ بھی وہاں بستر آ کر لیٹ سکتا ہے کیونکہ پلنگ دو آدمیوں کے لیے کافی تھا۔ لیکن آدمی نے کوئی حرکت نہ کی۔ اور چولھے کے نزدیک کھڑا آگ تاپتا رہا۔ یوناس اٹھا اور جا کر "یخ آدمی" کو پکڑ کر کمرے میں گھماتے ہوئے پلنگ تک

لے آیا اور پھر اسے وہاں لٹا دیا جہاں وہ پہلے خود لیٹا ہوا تھا۔ یہ جگہ پہلے ہی کچھ گرم تھی۔ اب وہ خود بھی دوسری طرف آدمی کے پہلو میں لیٹ گیا اور اپنا کمبل کچھ اُسے اُوڑھا دیا اور کچھ اپنے اوپر لے لیا۔

کمبل کی گرمی نے اُن دونوں کو کچھ گرم کر دیا اور وہ ایک آدھ گھنٹے تک سوتے رہے۔ یوناس اُٹھا اور اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے ابھی یخ ٹھنڈے آدمی کے بارے میں کچھ سوچنے ہی والا تھا کہ وہ بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیکن یوناس نے اُسے کہا کہ وہ کچھ دیر اور لیٹا رہے اور کمبل اوڑھے رکھے تو وہ زیادہ گرم ہو جائے گا۔ لیکن وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

''میں تہہِ دل سے تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے مجھے حرارت پہنچائی۔ مجھے کئی سالوں سے زبردستی ایک بدروح بنا کر اس جگہ رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہوا تھا، یہ میرے اعمال کی سزا تھی کیونکہ میں لوگوں کو ٹھنڈ میں ٹھٹھرنے پر مجبور کیا کرتا تھا۔ لیکن اب تم نے مجھے گرما دیا ہے، اب میں آزاد ہوں۔ اور اب اِس گھر میں کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اس احسان کے بدلے میں جو تم نے مجھ پر کیا ہے، میں تمھاری بھلائی کے لیے تمھیں ایک تحفہ دیتا ہوں۔''

آدمی نے یوناس کو تین چیزیں دیں:

ایک وائیلن، ایک بندوق اور ایک تھیلا۔ یہ چیزیں دیتے ہوئے اُس نے یوناس سے کہا: ''جب تم وائیلن بجاؤ گے تو تم جس کسی کے بارے میں سوچو گے وہ فوراً ہی ناچنے لگے گا۔ اگر تم کسی شے کو شکار کرنا چاہو گے اور بیشک وہ کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہو، تمھارا نشانہ کبھی خطا نہیں جائے گا۔ اور اگر تم کسی کو کہو گے کہ ''تھیلے میں گھس جاؤ'' تو فوراً

تمھارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس تھیلے میں چلا جائے گا ۔'' یہ کہنے کے بعد وہ آدمی یوناس کی آنکھوں کے سامنے سے یکدم غائب ہوگیا۔

اگلی صبح جب کچھ سورج چڑھ چکا تو لوگ گھر کی طرف بھاگ رہے تھے تا کہ دیکھ سکیں کہ یوناس کے ساتھ رات کو کیا بیتی تھی۔ اُن کا یقین تھا کہ وہ اُسے زندہ نہیں پائیں گے۔ اُدھر یوناس نے وہ چیزیں سنبھالیں جو اسے آدمی نے دیں تھیں اور کھڑکی سے اپنا سَر باہر نکال کر، وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے وعدے کے مطابق، اُس کے لیے وہ سب کچھ لائے ہیں جو انہوں نے اُسے دینا تھا۔ ہر کوئی حیران تھا۔ اور انہوں نے اسے پندرہ کرونے دے دیئے۔ ''اب اس گھر میں کوئی بدروح کبھی کسی کو پریشان نہیں کرے گے۔'' یوناس نے کہا۔

مالک مکان کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔

اب یوناس وہاں سے آگے کی طرف چل پڑا اور اُس نے اپنی جستجو جاری رکھی۔ ایک جگہ اُس نے لوگوں کو کہتے سُنا کہ ایک گرجے میں ہر رات شیطان آتے ہیں۔ یوناس نے وہ گرجا تلاش کیا اور وہاں اردگرد کے لوگوں کو بتایا کہ وہ اس گرجے میں رات گزارے گا ۔

''اگر تم رات کو وہاں ٹھہرو گے تو ہم تمھیں ایک سو کرونا دیں گے۔'' پادری نے کہا۔

شام ہوئی تو یوناس گرجے کے اندر چلا گیا اور پادری نے باہر سے دروازے پر تالا لگا کر چابیاں اپنے پاس رکھ لیں۔ یوناس تھکا ہوا تو تھا ہی۔ اُس نے عبادت کے لیے بیٹھنے

والی ایک کرسی کھسکائی اور اُس پر بیٹھ کر جلد ہی سو گیا۔ رات کے کوئی دس بجے ایک چھوٹا سا شیطان وہاں آیا اور اُس نے کرسی کو کھرچنا شروع کر دیا۔ اور پھر چھوٹے شیطان نے یوناس کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے دانت پیس پیس کر مختلف آوازیں نکالنی شروع کر دیں اور اپنی بڑی بڑی گیند نما گول آنکھوں کو گھماتے ہوئے یوناس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی اور اپنی دُم کو دائیں بائیں، اوپر نیچے زور زور سے ہلایا۔ لیکن یوناس نے اس کی طرف کوئی توجہ دیئے بغیر اپنا رُخ دوسری طرف موڑ لیا۔ چھوٹا شیطان اب دوسرے طرف بھاگا اور دوبارہ یوناس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ لیکن یوناس نے بھی اب پھر اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا اور یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا اور پھر اچانک گرجے کا سارا بڑا کمرہ شیطانوں سے بھر گیا۔ وہ ہر جگہ تھے اور اُن کے سوا کمرے میں اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ لیکن یوناس اپنی جگہ پر لیٹ کر سوتا رہا۔ شیطانوں نے اُس کے گرد دائرے کی صورت میں دوڑنا اور اچھلنا کودنا شروع کر دیا اور پھر اُن میں سے ایک نے یوناس کے سَر پر اپنی دُم ماری۔ اور پھر ایک دوسرے نے بھی دوڑتے دوڑتے ایسا ہی کیا۔ یوناس نے اپنا سَر اونچا کیا اور چلّایا:

''تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو، کیا تم آوارہ جنگلی بیل ہو؟ اگر تم یہاں کوئی بات کرنے آئے ہو تو آؤ بات کریں ورنہ یہاں سے دفع ہو جاؤ!''

سب شیطان یکدم رُک گئے۔ لیکن اب انہوں نے یوناس کے گرد گھیرا ڈال کر اسے اپنی انگلیاں مارنی اور اس کے بالوں میں پھیرنی شروع کر دیں۔ اور لمبی لمبی زبانوں سے اس کا منہ اور گال چاٹنے لگے۔ یوناس کو ان کی ان حرکتوں پر سخت غصہ آیا۔ تب اُسے

اُس بوڑھے آدمی کی دی ہوئی چیزیں یا آئیں۔ اُس نے تھیلے کا منہ کھولا ''تم سب شیطان اس تھیلے کے اندر جاؤ۔'' جونہی یوناس نے کہا، سب شیطان بھاگ کر تھیلے کے اندر گھس گئے۔ یوناس نے تھیلے کے منہ کو ایک رسی کے ساتھ بڑی مضبوطی سے باندھا اور اسے ایک طرف فرش پر پھینک دیا۔اب اُس نے بوڑھے آدمی کی دی ہوئی وائیلن لے کر جو بجانی شروع کی تو تھیلے میں شیطانوں نے ہلچل مچادی۔ اُن کے ناچنے کی وجہ سے تھیلا ادھر اُدھر لڑھک رہا تھا اور اوپر نیچے تھرک رہا تھا۔ وہ کبھی چھت سے ٹکرا کر نیچے فرش پر گرتا اور پھر بڑے زور سے دوبارہ چھت سے جا لگتا اور یہ سلسلہ چلتا رہا اب شیطان تھیلے کے اندر رو رہے تھے۔ ''ہمیں تھیلے سے باہر نکالو۔'' اُن کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ''ہم مر جائیں گے ہمیں تھیلے سے باہر نکالو۔'' وہ چیخ چیخ کر التجائیں کر رہے تھے۔ ''ہم تمھیں بالکل تنگ نہیں کریں گے، ہمیں باہر نکالو۔ہم ادھر گرجے میں کبھی نہیں آئیں گے، ہم وعدہ کرتے ہیں، ہمیں تھیلے سے باہر نکالو۔ہم یہاں کبھی نہیں آئیں گے۔''

''ٹھیک ہے، اگر تم وعدہ کرو کہ یہاں کبھی دوبارہ نہیں آؤ گے تو میں تمھیں آزاد کر دیتا ہوں۔'' یوناس نے کہا۔

''ہاں، ہاں! ہم دوبارہ کبھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔'' شیطانوں نے کہا۔

اب یوناس نے تھیلے کا منہ کھول دیا اور اس کے اندر سے شیطان باہر نکلنے گئے۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا اور پھر سب باری باری باہر نکل رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ ان کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ تھیلے سے باہر نکلنے کے بعد وہ ہال کمرے سے

باہر کی جانب بھاگ نکلے۔ ہال کمرے سے شیطانوں کے یوں بھاگ جانے کے بعد، وہاں یکدم روشنی ہوگئی۔اور یوناس کے سوچا کہ اب وہ تھوڑی دیر کے لیے آرام کرلے۔

اگلی صبح ،گرجے کے گرد بیشمار لوگ پہلے ہی جمع ہو چکے تھے۔پادری نے جب دروازہ کھولا تو ہر کوئی یہ دیکھنے کے لیے بیتاب تھا کہ کیا ہوا ہے۔وہ سب ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے بڑے ہال میں داخل ہو گئے۔ان کا خیال تھا کہ انہیں وہاں یوناس کی صرف لاش ہی ملے گی ۔جونہی وہ کچھ اور آگے بڑھے انہوں نے دیکھا کہ یوناس ایک کرسی پر بڑے آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ ہر کوئی حیران تھا کہ یہ ابھی تک زندہ ہے۔ کیونکہ کچھ دن پہلے ہی تو انہوں نے دیکھا تھا کہ ایک بہت بہادر آدمی کو شیطان اٹھا کر لے گئے تھے اور اسے گرجے کے مینار سے نیچے پھینک کر مار دیا تھا۔ جب یوناس نے اُن کو بتایا کہ اب گرجے میں کوئی شیطان بدروح نہیں آئے گی اور انہیں کبھی تنگ نہیں کرے گی تو وہ بہت خوش ہوئے اور پادری نے اسے وہ ایک سو کرونا دے دیئے جن کا اُس نے وعدہ کیا تھا۔لوگ خوشیاں منا رہے تھے کہ شیطانوں سے ہمیشہ کے لیے اُن کی جان چھوٹ گئی تھی اور اُن کا گرجا بد روحوں سے پاک ہو گیا تھا۔

یوناس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ایک دن وہ ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ اسے قریب کے ایک گاؤں کے باغ میں بلوط کا ایک بلند و بالا درخت دکھائی دیا۔جس میں ایک عقاب نے اپنے لیے بہت بڑا گھونسلہ بنا رکھا تھا۔ وہ ارد گرد کے کھیتوں کو بہت نقصان پہنچاتا تھا لیکن کوئی بھی اس عقاب کو مار نہیں سکتا تھا کیونکہ گھونسلہ بہت ہی زیادہ بلندی پر تھا۔

یوناس نے عقاب کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ بلوط کے مالک نے اسے کہا، ''تم عقاب کو نشانہ نہیں بنا سکو گے، بہت سارے لوگ اس کی کوشش کر چکے ہیں لیکن، کامیابی کسی کو نہیں ہوئی ،اور تم، تم ذرا اپنے آپ کو تو دیکھو! تم سمجھتے ہو تو کہ تم اسے مار سکو گے؟''

''ہاں! میں ماروں گا!'' یوناس نے جواب دیا۔

''اگر تم اسے مار گراؤ گے تو اس عقاب کی لاش میں خود اس باغ سے اٹھاؤں گا۔'' آدمی نے کہا۔ اُن دونوں کی گفتگو کئی دوسرے لوگ بھی سن رہے تھے جو تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

یوناس نے اپنی بندوق اُٹھائی اور عقاب کا نشانہ لے کر لب لبی دبا دی۔ ٹھاس! ایک آواز پیدا ہوئی اور عقاب بل کھاتا ہوں، نیچے زمین پر جھاڑیوں میں جا گرا۔ آدمی جو بہت موٹا تھا، عقاب کو اٹھانے کے لیے جھاڑوں کے اندر گھسا لیکن وہاں پھنس گیا۔ یوناس نے جب دیکھا تو اُس نے اپنی وائیلن اٹھائی اور اُسے بجانا شروع کر دیا۔ اب وہ موٹا آدمی یکدم اٹھ کھڑا ہوا اور بے ساختہ ناچنے لگے۔ یوناس وائیلن بجاتا رہا اور وہ ناچتا رہا، یہاں تک کہ ناچتے ناچتے اُس کا وزن بھی کم ہو گیا۔ یوناس جتنی تیز وائیلن بجاتا وہ اتنا ہی تیز ناچنے لگتا تھا۔ اور اب اچھلتا کودتا جھاڑوں سے بھی باہر نکل آیا تھا۔ اور اُس نے ایک جست لگا کر یوناس کو پکڑ لیا۔ ''تم جادوگر ہو!'' وہ چلایا۔ اُس آدمی نے لوگوں سے کہا کہ وہ خشک لکڑیوں کی ایک چتا بنائیں تا کہ جادوگر کو جلا دیا جائے۔ لوگوں نے لکڑیوں کا ڈھیر لگا کر اُس پر تیل چھڑکا اور جب سب کچھ تیار ہو گیا اور وہ یوناس کو اٹھا کر چتا میں پھینکنے ہی والے

تھے کہ وہ بولا ، ''کیا میں مرنے سے ایک بار اپنی وائیلن دوبارہ بجا سکتا ہوں؟!''

آدمی بھی کچھ تماشا دیکھنا چاہتے تھے۔''ہاں، ہاں، کیوں نہیں، ہوسکتا ہے یہ کوئی اچھا سازندہ ہی ہو۔'' وہ بولے۔ لیکن بلوط کے مالک نے انہیں خبردار کیا:

''اُسے وائیلن نہ بجانے دو کیونکہ وہ جب وائیلن بجانے لگے گا تو تم سب ناچنے لگو گے۔ اُس نے کہا۔

'' نہیں، مرنے والے کی آخری خواہش پوری کی جانی چیئے۔'' انہوں نے کہا اور مالک کی بات نظر انداز کردی۔

''تم اپنی وائیلن بجاؤ، اپنے مرنے سے پہلے ہمیں کوئی یادگاری سُر سناؤ۔'' لوگوں نے یوناس سے کہا۔

یوناس نے اب جیسے ہی وائیلن بجانی شروع کی سبھی لوگ، جہاں تک کہ خود وہ موٹا آدمی بھی بے ساختہ ہوکر، زور وشور سے ناچنے لگے۔ وہ اس طرح زور سے ناچ رہے تھے کہ ان کے پیروں کے نیچے زمین بھی تھرکنے لگی تھی۔ اب وہاں پر موجود ہر کوئی بوڑھے، جوان، بچے، مرد، عورتیں، لڑکے، لڑکیاں سبھی ناچ رہے تھے۔ یوناس بھی اپنی ہی دھن میں وائیلن بجا رہا تھا۔ اب لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ وہ ناچ ناچ کر اتنے تھک چکے تھے کہ اُن کی زبانیں باہر نکل آئیں تھی اور وہ پسینے میں شرابور ہوکر زمین پر گرتے، اٹھتے، اچھلتے پھسلتے، ناچ رہے تھے۔ یوناس نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو بڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے کھسک گیا۔ وہ کوئی ڈر محسوس نہیں کر رہا تھا۔

اب وہ واپس اپنے گھر پہنچا اور پادری سے اُسے جو پیسے ملے تھے، اُن سے اُس نے اپنے لیے ایک چھوٹی سی جاگیر خریدی اور وہاں بڑے آرام سے رہنے لگا۔

ایک دن، فصلوں کی کٹائی کے وقت کچھ لڑکیاں اُس کے گرد گھیرا ڈالے مذاق کر رہی تھی۔ اور انہوں نے ایک مینڈک اُس کی قمیض کے اندر چھوڑ دیا۔ یوناس نے فوراً اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ وہ چیخیں مارتا، چلّا رہا تھا۔ ''کم بختو، یہ تم نے کیا کر دیا!'' وہ اپنی قمیض کے بٹن کھولتے ہوئے، انہیں ڈانٹ رہا تھا اور اگر وہ مینڈک خود ہی اُچھل کر باہر نہ نکل جاتا تو ممکن ہے کہ یوناس خوف و ڈر کے مارے پاگل ہو جاتا یا گر کر بیہوش ہو جاتا۔

لڑکیاں اُس کی اس حالت پر قہقہے لگا رہی تھیں۔ ''تمھیں کس کا ڈر ہے؟ مینڈک تو تم سے بہت ہی چھوٹا ہے، وہ تمھیں کھا تو نہیں سکتا تھا، بدھو! تم کتنے ڈرپوک ہو!'' وہ بولیں۔

''کیا یہی ہے جو ''ڈر'' ہے؟'' چھانگیں بھرتے ہوئے مینڈک کو دیکھ کر یوناس نے کہا۔ ''میں اس کی تلاش میں کبھی نہ نکلتا! یہ محسوس کرنا مذاق کی بات نہیں کہ کوئی ٹھنڈی یخ شے تمھاری چھاتی پر اچھل کود رہی ہو۔''

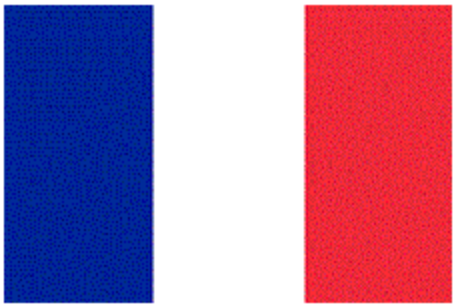

فرانس

میرا سایہ

ترجمہ: ہما نصر

میرا سایہ، اندر باہر ہر وقت میرے ساتھ گھومتا ہے۔ مجھے یہ کتنا پیارا لگتا ہے اور میرے کتنے کام آتا ہے، یہ میں ہی جانتا ہوں۔

وہ سر سے پاؤں تک بلکل، ہو بہو، میرے ہی جیسا ہے۔ اور میں جب اپنے بستر پر اچھل کود رہا ہوتا ہوں تو اُسے بھی اپنے سامنے اپنے بستر پر اچھلتے کُودتے دیکھتا ہوں۔

میرے سائے میں بہترین بات، اُس کا ایک خاص انداز میں بڑھنا ہے۔ وہ بچوں کی طرح نہیں بڑھتا کیونکہ وہ تو بہت ہی سست بڑھتے ہیں۔ کبھی کبھی تو میرا سایہ بہت

ہی لمبا ہو جاتا ہے، بالکل کھجور کے درخت کی طرح۔ اور کبھی کبھی وہ اتنا چھوٹا ہو جاتا ہے کہ جیسے وہ ہے ہی نہیں۔

اُسے یہ خیال ہی نہیں کہ بچوں کو کیسے کھیلنا چاہیئے۔ وہ مجھے مختلف طریقوں سے بیوقوف بنانے میں ماہر ہے۔ وہ میرے پیچھے اِتنا قریب کھڑا ہو جاتا ہے کہ جیسے بہت ہی ڈرپوک ہو۔ جس طرح میرا سایہ مجھ سے چمٹا رہتا ہے، کسی کے ساتھ یوں چمٹے رہنے سے تو مجھے بہت شرم آتی ہے۔

ایک صبح، بہت ہی جلدی، سورج نکلنے سے بھی پہلے، میں اُٹھا اور دیکھا کہ ہر ایک پھول پر شبنم چمک رہی تھی۔ اور میرا کاہل دوست 'جہاں گشت' سایہ بستر پر ہی سویا رہا۔ آج پہلی بار وہ بستر ہی میں سوتا رہا اور میں باہر پھولوں پر پڑی اُوس کی چمک دیکھتا رہا۔

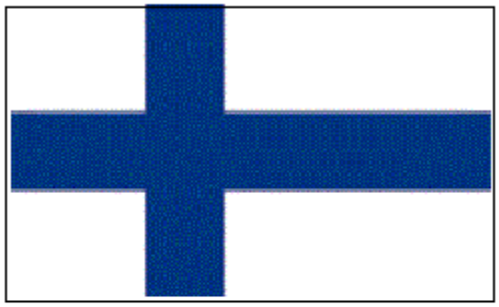

فن لینڈ

چوہیا شہزادی

ترجمہ: نصر ملک

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک کسان تھا جس کے دو بیٹے تھے۔ ایک صبح اُس نے اُن سے کہا، ''لڑکو، سنو! اب تم اتنے جوان ہو گئے ہو کہ شادیاں کر لو۔ لیکن ہمارے خاندان میں دلہن چُننے کا اپنا ایک طریقہ ہے۔''

چھوٹے لڑکے نے تو بڑے احترام اور غور سے باپ کی بات سنی، لیکن بڑے نے کہا، ''باپ، تم ہمیں بتا چکے ہو کہ ہم دونوں کو ایک ایک درخت کا ٹنا اور دیکھنا ہو گا کہ وہ کس جانب گرتا ہے۔ اور ہمیں اسی طرف جانا ہے۔''

''یہ بالکل درست ہے۔'' کسان نے کہا۔ ''جس طرف درخت گریں تم ادھر ہی

کا رخ کرنا اور جب تک تمھیں دلہنیں نہ مل جائیں چلتے رہنا۔ اسی طرح ہم ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور یہی ہمیشہ ہمیں کرتے بھی رہنا ہے۔''

بڑا بیٹا پہلے ہی سے جانتا تھا کہ اُسے کس کے ساتھ شادی کرنی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کی درخت کو کیسے کاٹنا ہے تا کہ وہ اُس کی مرضی کے مطابق اُدھر ہی گرے جدھر وہ جانا چاہتا ہے۔ اُس نے جب درخت کاٹا تو وہ ایک فارم کی طرف گرا جہاں اُس کی محبوبہ رہتی تھی۔

چھوٹا بیٹا، جس کا نام مِکّو تھا، اُس کی کوئی محبوبہ نہیں تھی۔ لیکن اُس نے قصبے میں اپنی قسمت آزمانے کا سوچا۔ اب شائد اُس نے درخت کو غلط کاٹا تھا یا یہ درخت کی اپنی مرضی تھی کہ جب وہ زمین پر گرا تو اُس کا رخ جنگل کی طرف تھا۔

''واہ مِکّو، واہ، یہ تم نے اچھا کام کیا۔'' بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کا مذاق اڑایا اور اسے چھیڑا۔ ''تم وہاں کون سی دلہن تلاش کرو گے؟ ایک بھیڑنی یا ایک لومڑی؟'' وہ قہقہے لگا رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں''، مِکّو نے کہا۔ ''میں کوئی نہ کوئی تو تلاش کر ہی لوں گا۔''

اب وہ دونوں اپنے اپنے رستے پر چل نکلے۔ مِکّو جنگل میں کئی گھنٹے چلتا رہا لیکن اسے وہاں کوئی ذی روح دکھائی نہ دیا۔ لیکن پھر اچانک دور جنگل کے وسط میں اسے ایک کُٹیا دکھائی دی۔

''مجھے معلوم تھا کہ میں ایک دلہن تلاش کر لوں گا۔'' مِکّو نے کہا ۔ لیکن جب وہ

کُٹیا کے اندر گیا تو اسے وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا۔

''اوہ، اتنا مشکل راستہ، اور ملا کچھ بھی نہیں۔'' وہ بڑی اُداسی سے بولا۔

''نہیں، شائد ایسا بھی نہیں، جیسا تم سوچ رہے ہو۔'' اسے ایک ہلکی سے آواز سنائی دی۔

''مِکّو نے ادھر اُدھر دیکھا، لیکن اسے وہاں جو ایک زندہ شے دکھائی دی وہ صرف ایک چوہیا تھی جو میز پر اپنی ٹانگوں کے بل کھڑی تھی اور اسے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا تم نے کچھ کہا؟'' مِکّو نے پوچھا۔

'' ہاں، یقیناً میں نے ہی کہا ہے!، تم مجھے اپنا نام بتاؤ اور یہ بھی کہ تم یہاں کس مقصد کے لیے آئے ہو؟''

مِکّو نے اس سے پہلے کبھی بھی کسی چوہیا سے بات نہیں کی تھی لیکن پھر بھی اُس نے بڑی نرمی سے جواب دیا، ''میرا نام مِکّو ہے اور میں اپنے لیے ایک دلہن کی تلاش میں ہوں اور یہاں تک آ گیا ہوں۔''

چوہیا کی خوشی کے مارے چیخ نکل گئی، ''میں بڑی خوشی کے ساتھ تمھاری دلہن بنوں گی!'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''لیکن تم تو صرف ایک چوہیا ہو۔'' مِکّو نے کہا۔

''شائد یہی درست ہو لیکن، میں پوری وفا داری کے ساتھ تم سے محبت کروں گی،

اور ہاں، چوہیا چوہیا میں بھی تو فرق ہوتا ہے، کچھ تو بہت ہی خاص ہوتی ہیں!، آؤ، آگے آؤ اور میری کھال پر ہاتھ پھیر کر محسوس تو کرو۔'' اس نے کہا۔

مِکّو نے اپنی ایک انگلی چوہیا کی کمر پر پھیری، ''ارے یہ تو مخمل کی طرح نرم محسوس ہوتی ہے! بالکل جیسے کسی شہزادی کا مخملی گاؤن ہو!'' اُس نے کہا ۔

''ہاں، تم نے ٹھیک کہا، مِکّو!'' وہ بولی۔ اور جونہی مِکّو نے اُس کی کمر پر دوبارہ ہاتھ پھیرا تو اُس کے لیے بڑی سریلی آواز میں گانے لگی:

'' میں مِکّو کی دلہن بنوں گی

وہ ایک خوبصورت اچھا نوجوان ہے!

ایک شہزادی کی طرح، میرا گاؤن

بہت ہی نایاب اور عمدہ ترین ہے۔''

جب وہ گا رہی تھی تو مِکّو نے اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں دیکھا وہ ایک عام چوہیا کی آنکھوں سے کہیں زیادہ خوبصورت، گہری اور چمکدار تھیں۔ اب اُسے کوئی اور دلہن تو کسی طرح مل نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ اُس نے کہا، ''ٹھیک ہے چھوٹی چوہیا تم ہی میری دلہن بنو گی۔''

''او، مِکّو! وہ خوشی سے اچھل پڑی، '' میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمھیں اپنے فیصلے پر کبھی افسوس نہیں کرنا پڑے گا۔'' اُس نے کہا۔

مِکّو کو اس کا یقین تو نہیں تھا لیکن اُس نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور مُسکرا دیا۔

مِکّو جب واپس گھر پہنچا تو اُس کا بھائی پہلے ہی سے وہاں باپ کے پاس بیٹھا ڈینگیں مار رہا تھا، ''میری ہونے والی دلہن کے گال گلاب کی طرح سرخ ہیں اور اُس کے لمبے سُنہری بال ہیں۔''

''یہ تو اچھا ہے،'' کسان نے کہا۔ ''اور تم، مِکّو ہم بھی تو کچھ کہو، تمھیں بھی کوئی ایسی لڑکی ملی جو تمھاری دلہن بن سکے؟'' اُس نے پوچھا۔

''ہاں، مِکّو! بتاؤ نا'' اُس کا بھائی ہنستے ہوئے بولا۔ ''کیا تمھیں کوئی فر کے کاٹ والی دلہن ملی ہے؟''

مِکّو ماننا نہیں چاہتا تھا کہ فر کے کوٹ والی تو ایک چوہیا ہی تھی جو اُسے ملی تھی، چنانچہ اُس نے کہا، ''میری دلہن ایک مخملی گاؤن پہنتی ہے بالکل شہزادی جیسا!''

اُس کے بھائی نے ہنسنا بند کر دیا۔

''اچھا!'' کسان نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہوا کہ مِکّو کا درخت ٹھیک سمت کی طرف گرا تھا اور اُس نے مِکّو کو صحیح راستے پر لگایا تھا، لیکن اب مجھے تم دونوں کی دلہنوں کو آزمانا ہوگا۔ کل تم انہیں کہنا کہ وہ تمھارے لیے کوئی کپڑا بُنیں۔ اور تم ان کپڑوں کو گھر ساتھ لے آنا۔ ہم اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں اور ہمیں اسی رسم پر قائم رہنا ہے!''

اگلی صبح دونوں بھائی جلدی ہی سفر پر نکل پڑے۔ مِکّو جب جنگل میں کٹیا پر پہنچا تو چھوٹی چوہیا میز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ یکدم اچھل پڑی اور خوشی سے اُوپر نیچے بازیاں لگانے اور اپنے چھوٹے چھوٹے پنجوں سے میز بجانے لگی۔

'او،میرے مِلّو !میں بہت خوش ہوں کہ تم یہاں ہو! کیا آج یہ ہماری شادی کا دن ہے؟'' اُس نے کہا۔

مِلّو نے بڑی آہستگی سے اُس کی مخملی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ ''نہیں ابھی نہیں، چھوٹی چوہیا۔'' اُس نے کہا۔ اُس کی آواز میں اُداسی تھی۔

''کیوں، مِلّو کیوں! تم اداس لگتے ہو، کیابات ہے؟''

''میرا باپ چاہتا ہے کہ تم کوئی کپڑا بُنو۔لیکن تم کپڑا کیسے بُن سکتی ہو،تم تو صرف ایک چوہیا ہو!''

''تم سچ ہی کہتے ہوگے۔'' چوہیا نے کہا۔ ''لیکن میں تمھاری ہونے والی دُلہن ہوں اورمیرے مِلّو تمھاری یہ دُلہن کپڑا بن سکتی ہے! لیکن تم شائد سفر کی وجہ سے تھکے ہوئے ہو۔میں جب تک کام کرتی ہوں، تم تھوڑا آرام کیوں نہیں کر لیتے؟''

''ٹھیک ہے۔'' مِلّو نے کہا۔اوروہ کونے میں ایک بستر پر لیٹ گیااور چھوٹی چوہیا اُس کے لیے ایک لوری گانے لگی:

''میں مِلّو کی دُلہن بنوں گی
وہ کتنا خوبصورت جوان ہے!
میں لیلن کے کپڑے بُنوں گی
یہ اُس کے جانے سے پہلے تیار ہو جائیں گے۔''

چھوٹی چوہیا کو جب یقین ہوگیا کہ مِلّو گہری نیند سو گیا ہےتو اُس نے ایک گھنٹی لی

اور اُسے ایک بل کے نزدیک لے جا کر بجایا۔ اس بل سے چوہوں کی ایک لمبی قطار نکل کر کمرے میں آ گئی۔ اب کمرے میں سینکڑوں چوہے تھے۔ وہ سب میز کے سامنے جمع تھے اور چوہیا کو دیکھ رہے تھے جو میز کے اوپر کھڑی تھی۔

''شاباش!'' اُس نے کہا۔ '' تم سب جاؤ اور فوراً سَن کا ایک ایک باریک ترین دھاگہ لے کر آؤ، جاؤ جلدی کرو!'' وہ بولی۔ اور پھر سبھی چوہے دھاگہ لینے بھاگ پڑے۔ اور پلک جھپکنے میں وہ دھاگے لے کر واپس بھی آ گئے۔ پہلے انہوں نے ان دھاگوں کو چرغے پر بُنا اور پھر سب نے مل کر اپنے اپنے حصے کا کام نمٹاتے ہوئے، ایک کھڈی تیار کی اور چھوٹی چوہیا کی خواہش کے عین مطابق، ان دھاگوں سے بہت ہی نفیس و مہین کپڑا بُنا، اسے کھڈی سے اُتارا، اور اسے خوب اچھی طرح تہہ در تہہ کر کے ایک اخروٹ کے خول کے اندر رکھا اور چھوٹی چوہیا کو پیش کر دیا۔

''تمھارا بہت شکریہ! اب تم سب جا سکتے ہو۔'' چوہیا نے کہا۔ اور وہ سب اپنی اپنی بلوں میں جا گھسے۔

اب چوہیا نے آواز دی۔ ''مِلّو، جاگو! اب تمھارا گھر جانے کا وقت ہو گیا ہے، اُٹھو اور یہ لو یہ تمھارے باپ کے لیے ایک شے ہے۔''

مِلّو نے نیم وا آنکھوں سے چوہیا کو دیکھا اور اُس سے اخروٹ کا خول لے لیا۔

''میرے باپ کو ایسی شے کی کیا ضرورت ہو گی؟'' اُس نے سوچا لیکن تہہ دل سے چوہیا کا شکریہ ادا کیا۔

اب جب مِکّو گھر پہنچا تو اُس کا بھائی بڑے فخر سے اپنی ہونے والی دلہن سے لایا ہوا کپڑا دکھا رہا تھا۔ کسان نے اسے دیکھا تو کہا، ''بہت مضبوط اور کافی اچھا بھی ہے۔ ہم جیسے سادہ لوگوں کے لیے بہتر ہے۔ اور مِکّو تمھارا کپڑا کہاں ہے؟''

مِکّو نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اخروٹ کا خول نکال کر باپ کی طرف بڑھا دیا۔

''ارے دیکھو تو!'' اُس کا بھائی ہنسا۔ ''مِکّو نے اپنی ہونے والی دلہن سے کپڑا مانگا اور اُس نے اسے اخروٹ کا خول دے دیا، واہ واہ، کیا کہنے!''

کسان نے اخروٹ کے خول کو کھولا اور دیکھا تو اُس کے اندر کچھ رکھا ہوا نظر آیا جونہی اُس نے اُسے باہر نکالا اور کھولا تو دیکھا کہ وہ تو لیلن کا بُنا ہوا باریک ترین اتنا عمدہ کپڑا ہے کہ پورے تھان کو تہہ کر کے اخروٹ کے خول میں بند کر دیا گیا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ ایک تھان کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا، اخروٹ کے خول سے کپڑے کے تھان یہ تھان باہر نکل آئے تھے۔

مِکّو کے بھائی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور خود مِکّو کی حالت بھی اس سے کم نہ تھی۔

''مِکّو کی دلہن سے زیادہ بہتر دھاگہ بُننے اور کپڑا بنانے والی کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ کسان نے فیصلہ سنایا۔ ''لیکن تم دونوں کی دلہنیں، تمھارے لیے اچھی رہیں گی۔'' اُس نے کہا۔ ''کل تم انہیں اپنے ساتھ شادیوں کے لیے گھر لانا۔ اب تک یہی ہماری رسم چلتی آئی ہے اور اسے ہم جاری رکھیں گے۔''

اگلی صبح جب مِکّو جنگل میں کُٹیا پر پہنچا تو چھوٹی چوہیا نے آگے بڑھ کر اُچھل اُچھل

کر اس کا استقبال کیا اور اُسے خوش آمدید کہا۔ ''تم مجھے اپنے ساتھ لینے آئے ہو، او میرے مِکّو کیا آج ہماری شادی کا دن ہے؟'' اُس نے کہا۔

''ہاں، ایسا ہی ہے، چھوٹی چوہیا!۔'' مِکّو نے بڑی سرد مہری سے جواب دیا۔ وہ پہلے کبھی اتنا اُداس نہیں ہوا تھا جتنا اب تھا۔

''کیوں مِکّو، کیوں، تم اتنے اُداس اور غمگین کیوں ہو؟''

''میں ایک چوہیا کو اپنے ساتھ شادی کے لیے گھر کیسے لے جا سکتا ہوں؟ میرا بھائی اور باپ اور ہمارے سارے رشتہ دار، دوست اور پڑوسی سبھی میری ہنسی اُڑائیں گے اور سمجھیں گے کہ میں تو ہوں ہی بیوقوف!'' اُس نے کہا۔

'' ہاں، شاید وہ واقعی میں ایسا سوچ تو سکتے ہیں۔'' اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔

''لیکن مِکّو تم خود کیا سوچتے ہو؟''

مِکّو نے چھوٹی چوہیا کو دیکھا۔ جو اپنی محبت بھری بڑی بڑی متجسس آنکھوں کے ساتھ اُسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مِکّو نے سوچا کہ وہ اُس سے کتنی ٹوٹ کر محبت کرتی ہے۔

''میں سمجھتا ہوں کہ تم کسی بھی دلہن سے کم پیاری دلہن نہیں ہو۔ لہٰذا اگر کوئی ہنستا ہے یا میرا مذاق اُڑاتا ہے تو ایسا کرنے دو، چلو تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ آج تم میری دلہن بنو گی اور میں تم سے شادی کروں گا۔'' اُس نے کہا۔

''او مِکّو، تم نے مجھے دنیا کی سب سے زیادہ خوش نصیب چوہیا بنا دیا! تم بہت عظیم ہو۔'' وہ بولی۔

پھر اُس نے اپنی گھنٹی بجائی، اور مِکّو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ، عین اسی وقت ایک چھوٹی سی سنہری بگھی وہاں آ گئی۔ یہ اخروٹ کے خول کی بنی ہوئی تھی اور اس میں چار کالے چوہے جتے ہوئے تھے۔ ایک چوہا کوچوان شاندار وردی پہنے آگے بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا خادم چوہا بگھی کے پیچھے، پائیدان پر پاؤں جمائے ہوئے تھا۔

''مِکّو''، چھوٹی ٹی چوہا نے کہا۔ '' کیا تم میز سے نیچے اترنے میں میری مدد نہیں کرو گے؟''

مِکّو نے اُسے میز سے اُتار کر بگھی میں بٹھایا اور پھر کوچوان چوہا اُسے لے کر آگے چل پڑا۔ وہ بگھی کو اتنا تیز بھگا رہا تھا کہ اب مِکّو کو اُس کا ساتھ دینے کے لیے خود بھی دوڑنا پڑ رہا تھا۔

مِکّو جب بگھی کے پیچھے تیز تیز چل رہا تھا تو چھوٹی چوہیا بڑی لے میں گیت گا رہی تھی:

''آج میں مِکّو کی دلہن بنوں گی،
وہ کتنا خوبصورت جوان مرد ہے!
جب میری شادی ہو جائے گی تو ہم،
ایک ساتھ سنہری بگھی میں سواری کریں گے۔''

بالآخر وہ مِکّو کے گھر پہنچ گئے اور پھر وہاں سے وہ شادی کے لیے، ایک بہت ہی خوبصورت ندی کے کنارے بنائی گئی، مقررہ جگہ پر جا پہنچے۔ باراتی وہاں پہلے ہی سے پہنچ

چکے تھے اور مزے لے رہے تھے۔ لیکن جونہی مِکّو وہاں پہنچا وہ سب یکدم خاموش ہو گئے اور چھوٹی بگھیا کو گھورنے لگے۔

مِکّو کا بھائی اپنی دلہن کے ساتھ کھڑا، اپنے سامنے جو کچھ دیکھ رہا تھا، اُس پر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اب مِکّو اور چھوٹی چاہیا اُس کی طرف گئے۔

''یہ سب سے احمق ترین شے ہے جو میں اس وقت دیکھ رہا ہوں۔'' اُس کے بھائی نے کہا اور اپنے پاؤں سے ایک زبردست ٹھوکر مار کر، بگھی کو چھوٹی چوہیا، کوچوان اور خادم چوہے سمیت ندی میں پھینک دیا۔ اور وہ سب ڈوب گئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ مِکّو کھڑا منہ دیکھتا رہ گیا اور کچھ بھی نہ کر سکا۔

''یہ تم نے کیا کیا ہے؟'' مِکّو چلّایا۔ ''تم نے میری دلہن کو مار دیا ہے!''

''کیا تم پاگل ہو؟'' اُس کے بھائی نے کہا۔ ''وہ صرف ایک چوہیا تھی!، چوہیا!!''

''شاید وہ چوہیا ہی تھی'' مِکّو بولا، ''لیکن وہ میری دلہن تھی اور میں اُسے دل سے پیار کرتا تھا!''

وہ ابھی اپنے بھائی کا گلا پکڑنے ہی والا تھا کہ اُس کے باپ نے اُسے آواز دی، مِکّو، دیکھو!''

تمام مہمان نیچے ندی میں دیکھ رہے تھے اور پانی کے اندر سے ابھرتی ہوئی ایک عجیب شے پر بڑی حیرانی کے ساتھ نظریں جمائے ہوئے تھے۔

مِکّو تیزی سے وہاں پہنچا اور خود بھی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بگھی کے چاروں کالے چوہے، چار خوبصورت کالے مُشکی گھوڑوں میں بدل گئے تھے اور وہ بگھی کو ندی سے باہر کھینچ رہے تھے۔ کوچوان اپنی خوبصورت سنہری وردی میں اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا اور خادم، بگھی کے پیچھے پائیدان پر پاؤں جمائے کھڑا تھا اور بگھی کے اندر ایک بھیگی ہوئی لیکن بہت ہی خوبصورت شہزادی مخملی لباس پہنے بیٹھی ہوئی تھی۔ ندی سے باہر نکل کر بگھی عین مِکّو کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''میرے مِکّو''، شہزادی نے کہا۔ ''کیا تم بگھی سے نیچے اُترنے میں میری مدد نہیں کروگے؟''

ایک لمحے کے لیے مِکّو ہکا بکا رہ گیا اور پھر اُس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی ''کیا تم میری چھوٹی چوہیا ہو؟'' مِکّو نے کہا۔

''ہاں، تو اور کیا!'' میں تمھاری ہی تو ہوں، لیکن چوہیا نہیں، شہزادی، شہزادی!، تمھاری اپنی شہزادی!'' اُس نے کہا۔ ''ایک جادوگر نے مجھ پر جادو کر رکھا تھا اور اسے تبھی ختم کیا جا سکتا تھا جب کوئی دو بھائیوں میں سے ایک مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہو اور دوسرا مجھے مار دینا چاہتا ہو، اور اب ایسا ہو چکا ہے۔ لیکن میرے پیارے مِکّو، مجھے اپنے کپڑے بدلنے ہیں۔ میں اپنی شادی پر یوں بھیگی تو نہیں رہ سکتی!''

اب ہر کوئی دوبارہ خوشیاں منانے لگا تھا۔ یہ شادی کی ایک یادگاری بڑی تقریب بن چکی تھی۔ مِکّو کی بیوی، شہزادی ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ اُس کا باپ بھی مسلسل

شہزادی ہی کو دیکھ رہا تھا۔ ہاں البتہ، مِکّو کا بھائی کچھ حسد ضرور کر رہا تھا لیکن اُس کی اپنی بیوی بھی خوبصورتی میں کچھ کم نہ تھی۔ چنانچہ اُسے کچھ برا بھی نہیں لگ رہا تھا۔

اگلے روز شہزادی نے مِکّو کو ساتھ لیا اور جنگل میں اپنی کُٹیا پر جا پہنچی لیکن، وہاں اب کُٹیا تو تھی ہی نہیں! وہاں تو ایک عالیشان محل تھا جہاں سینکڑوں نوکر چاکر اِدھر اُدھر اپنے اپنے کام میں مشغول تھے۔ مِکّو اور اسکی بیوی شہزادی نے اب یہیں رہنا شروع کر دیا تھا اور وہ دونوں اپنی اس نئی زندگی سے بہت خوش تھے۔

اب جب اُن کے بیٹے جوان ہوں گے تو تم جانتے ہی ہو کہ انہیں اپنے لیے دلہنیں کیسے تلاش کرنی ہوں گی۔

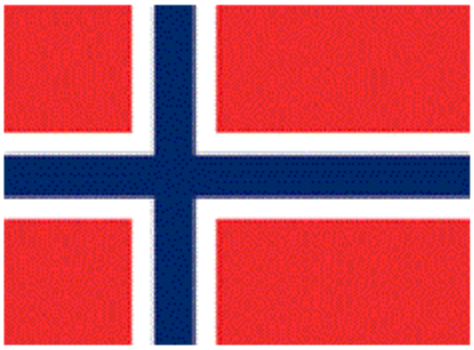

ناروے

گڈریئے کی روپ میں لومڑی

ترجمہ: نصر ملک

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت تھی جو کسی ایسے گڈریئے کو تلاش کر رہی تھی جسے وہ اپنا ملازم رکھ سکے۔ وہ باہر جا رہی تھی کہ راستے میں اُسے ایک ریچھ ملا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' ریچھ نے کہا۔

''اوہ، میں ایک گڈریا ملازم رکھنا چاہتی ہوں۔'' عورت نے جواب دیا۔

''کیا تم مجھے گڈریئے کے طور پر اپنے ہاں ملازم نہیں رکھو گی؟'' ریچھ نے پوچھا۔

''ہاں، صرف اگر تم جانتے ہو کہ جانوروں کو کیسے بلاتے ہیں!'' عورت نے کہا۔

''برررر'' ریچھ گرجا۔

''نہیں، تم نہیں کر سکو گے!'' عورت نے جب ریچھ کی گرج سنی تو بولی۔ اور پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد اُسے ایک بھیڑیا ملا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' اُس نے کہا۔

''میں ایک گڈریا ملازم رکھنا چاہتی ہوں، اُس کی تلاش میں ہوں۔'' عورت نے جواب دیا۔

''کیا میں تمھارا گڈریا بن سکتا ہوں؟'' بھیڑیئے نے پوچھا۔

''ہاں، اگر تم یہ جانتے ہو کہ جانوروں کو کیسے بلاتے ہیں!'' عورت نے جواب دیا۔

''اوہ، اوہ، اوہ!'' بھیڑیئے نے آواز نکالی۔

''نہیں، تم میرے گڈریئے نہیں بن سکتے۔'' اُس نے کہا

تھوڑی دور آگے جانے کے بعد اُس کی ملاقات ایک لومڑی سے ہوئی۔

'' مادام، کہاں جا رہی ہو؟'' اس نے اپنی دم ہلاتے ہوئے عورت سے پوچھا۔

''مجھے اپنے لیے ایک گڈریا ملازم چاہیئے۔'' عورت نے کہا۔

''تو پھر تم مجھے ملازم رکھ لو۔'' لومڑی بولی۔

''ہاں، لیکن اگر تم جانتی ہو کہ جانوروں کو کیسے بلاتے ہیں!'' عورت نے کہا۔

''ویلی، والی، ہولی، ڈولی، آؤ آؤ ۔۔۔۔'' لومڑی بڑی صاف اور کھنکھناتی

ہوئی آواز میں یوں بولی جیسے واقعی میں جانور اُس کے سامنے ہیں اور وہ انہیں پچکار رہی ہے۔

''خوب ، بہت بہتر، بس میں تمھیں ہی گڈریا کے طور پر رکھنا چاہتی ہوں۔'' عورت نے کہا اور لومڑی کو ملازم رکھ لیا۔

اب عورت نے لومڑی کو مویشیوں کی گلہ بانی سونپ دی۔ ''تمھیں ان کا دھیان رکھنا ہوگا!'' وہ بولی۔

''جی ہاں، مادام!'' لومڑی نے کہا۔

پہلے دن لومڑی گلّے میں سے عورت کی تمام بکریاں کھا گئی۔ اگلے روز وہ اُس کی تمام بھیڑوں کو نگل گئی اور پھر تیسرے دن وہ تمام گائیاں ہڑپ کر گئی۔

شام کو لومڑی جب چراگاہ سے واپس گھر واپس آئی تو عورت نے پوچھا کہ اُس نے مویشیوں کے ساتھ کیا کیا ہے کیونکہ وہ اسے ارد گرد کہیں بھی دکھائی نہیں دیتے اور نہ ہی اُسے اُن کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔

''اُن کی کھوپڑیاں دریا میں ہیں اور اُن کی ہڈیاں جنگل میں ہیں۔'' لومڑی نے کہا۔

عورت دودھ سے مکھن نکالنے میں مصروف تھی ۔لیکن اُس نے سوچا کہ اسے خود باہر جا کر دیکھنا چاہیئے کہ اُس کے جانور کیسے ہیں۔ چنانچہ جب وہ چلی گئی تو لومڑی نے جلدی سے سارا مکھن کھالیا اور سارا دودھ بھی پی گئی۔

عورت جب واپس آئی تو سخت غصے میں تھی اور جب اُس دیکھا کہ لومڑی سارا مکھن بھی کھا چکی ہے اور دودھ بھی پی گئی ہے تو وہ جل بُھن گئی اور شدید طیش میں آ کر اُس نے دودھ کی بچی کھچی ملائی اٹھائی اور پوری قوت سے لومڑی کی جانب پھینک دی جس سے ایک قطرہ لومڑی کی دُم کے سرے پر جا پڑا۔

یہی وجہ ہے کہ لومڑی کی دم کا سرا آج تک سفید دکھائی دیتا ہے۔

ہالینڈ

مِس کوّا اور مسٹر لُومڑ

ترجمہ: نصر ملک

ایک دن جب مسٹر لومڑ باہر گھوم رہا تھا، اس نے دیکھا کہ مِس کوا، اُڑتی اُڑتی زمین پر اتری اور وہاں پڑے ہوئے پنیر کے ایک ٹکڑے کو اپنی پونچ میں دبا کر پھر ہوا میں اُڑ گئی۔ اب وہ پر پھیلائے، چونچ میں پنیر کا ٹکڑا دبائے، اُڑتی ہوئی ایک قریبی درخت کی سب سے اُونچی شاخ پر جا بیٹھی۔

مسٹر لومڑ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ ''واہ، پنیر کا یہ ٹکڑا کتنا مزے دار ہوگا!''۔ اس نے سوچا۔ ''یہ تو بس میرے لیے ہونا چاہیئے۔'' اُس کے منہ میں پانی بھر آیا۔

''ارے، مجھے وہ پنیر حاصل کرنا چاہیئے۔'' وہ سوچ رہا تھا۔ ''میں لومڑ ہوں اور میں ہی اس کے لائق ہوں اور میں ایک شریر، چالاک اور بولنے والا لومڑ بھی تو ہوں، مجھے یہ

پنیر لینا ہی ہوگا۔''

اب لومڑ تیزی سے چلتے ہوئے اس درخت کے نیچے جا پہنچا جس کی شاخ پر مس کوا چونچ میں پنیر کا ٹکڑا دبائے بیٹھی تھی۔

'' ہیلو، مس کوا۔'' لومڑ نے منہ اونچا کر کے آواز دی ۔ '' تم آج کیسی ہو؟'' اس نے مس کوا سے پوچھا۔ '' آج تو تم بے حد خوبصورت اور سمارٹ دکھائی دے رہی ہو، آج تو تم بہت ہی مختلف لگ رہی ہو؟ کیا تم نے اپنا شیمپو، جس سے تم روزانہ نہاتی ہو، تبدیل کر دیا ہے؟'' لومڑ، مس کوا کی تعریف کر رہا تھا۔

'' آج تو تمھارے پنکھ بہت ہی چمکیلے اور کالے ہیں اور یہ تمھاری آنکھیں! ، یہ تو بالکل ہیروں کی طرح چمک رہی ہیں۔'' لومڑ اب مس کوا کی چاپلوسی کر رہا تھا۔ ''ارے تم نے اپنا وزن کم کر لیا ہے؟ تم تو بہت ہی خوبصورت دکھائی دے رہی ہو اور تمھارا جسم تو بس ایک مجسمہ حسن دکھائی دے رہا ہے۔ واہ! کیسا ہی اچھا ہو اگر تم اتنا خوبصورت گانا بھی گا سکو جتنی کہ تم خود خوبصورت لگ رہی ہو۔ اور اگر تم ایسا گا سکتی ہو تو پھر میں تمھیں'' تمام پرندوں کی رانی'' کا خطاب دے سکتا ہوں۔'' لومڑ بولا۔

لومڑ سے اپنی اتنی تعریف سن کر، اور ''تمام پرندوں کی رانی'' کا خطاب حاصل کرنے کی چاہت میں، مس کوا نے اپنا سر اٹھایا اور گانا گانے لگی۔ لیکن جونہی اس نے گانے کے لیے اپنا منہ کھولا ، پنیر کا ٹکڑا گر گیا۔ لومڑ نے جلدی سے چھلانگ لگائی اور اس سے پہلے کہ پنیر کا ٹکڑا زمین پر گرتا، اسے پکڑ لیا۔

"ہاں !جی ہاں !!" لومڑ خوشی سے چلایا۔ وہ پنیر کے ٹکڑے کو پکڑے، اپنے سر سے بھی اونچا لے جا کر اپنی جیت پر رقص کر رہا تھا۔ "مجھے وہ مل گیا ہے جو میں نے چاہا تھا۔" وہ بار بار دہرا رہا تھا۔

اب لومڑ نے درخت کی شاخ پر اداس بیٹھی مس کوا کو دیکھا۔ "میں کوئی برا لومڑ نہیں ہوں، میں تمھیں، مستقبل کے لیے ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مس کوا سے بولا۔ "کبھی کسی چاپلوس پر یقین نہ کرنا۔"

ہنگری

کیا تم ناراض ہو؟

ترجمہ: نصر ملک

وہ کہاں نہیں تھا، وہ ہر جگہ ہوتا تھا، یہاں، وہاں، گاؤں میں جہاں دیکھو وہ وہاں موجود ہوتا۔ یہ بہت پرانی بات ہے۔ کسی ایک گاؤں میں ایک باپ رہتا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ان میں ایک بہت ہی کاہل و سست تھا۔ اور گھر کے کونے میں چمنی کے پاس بیٹھا رہتا تھا لیکن دوسرے دونوں کو ہوشیار و عقلمند سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک بھائی کچھ دور پڑوسی گاؤں میں کام کاج کرنے کے لیے چلا گیا۔ اس کی ماں نے اُسے گھر کے بنائے ہوئے کیکوں سے بھرا ایک تھیلا دیا تا کہ بھوک لگے تو کھالے۔

دوسرے گاؤں میں پہنچ کر وہ ایک گھر میں داخل ہوا اور اُس کے مالک سے کہا کہ

وہ اُسے ملازم رکھ لے۔

''بہت خوب۔'' مالک نے کہا۔''میری ایک شرط ہے کہ ہم میں سے جو کوئی بھی، تم یا میں، جو پہلے ناراض ہوگا اُس کی ناک کاٹ دی جائے گی!''

اب لڑکا کھیتوں میں کام کرنے کے لیے باہر چلا گیا لیکن اُس کے مالک نے نہ اُسے دوپہر کے کھانے کے لیے بلایا اور نہ ہی شام کو کھانے کے لیے کچھ دیا۔

''ہاں تو، میشک، کیا تم ناراض ہو؟'' مالک نے اُس سے پوچھا۔

''مجھے کس بات پر ناراض ہونے کی ضرورت ہے؟'' میشک نے کہا۔

رات ہوئی تو مالک کے گھر میں تازہ کھانے کی خوشبو پھیل گئی لیکن کسی نے بھی میشک کو کھانا کھانے کے لیے نہ بلایا۔

اُس کے مالک نے اُس سے پوچھا، ''ہاں تو، میشک، کیا تم ناراض ہو؟''

''مجھے کس بات پر ناراض ہونے کی ضرورت ہے؟'' میشک نے جواب دیا۔

وہ ناراض نہیں تھا کیونکہ اُس کے پاس ماں کے دیئے ہوئے کیک تھے جو اُس نے کھائے پانی پیا اور سو گیا۔ لیکن پھر دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا۔ مالک نے اسے نہ دوپہر کے کھانے پر بلایا اور نہ رات کے کھانے پر ۔

اُس کے مالک نے اس سے پوچھا، ''میشک جوان، کیا تم ناراض ہو؟''

'' تمھارا برتاؤ ہی ایسا ہے کہ شیطان بھی تم سے ناراض ہو جائے۔'' میشک نے کہا۔ ''کیا تم مجھے بھوک سے نہیں مار رہے ہو؟''

اُس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ مالک نے اپنا تیز دھار چاقو نکالا اور میشک کی ناک کاٹ کر اُس کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ کٹی ناک کے ساتھ وہاں سے بھاگا اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر اپنے گاؤں کی طرگ بھاگتا ہی گیا۔

گھر پہنچ کر اُس نے اپنے باپ اور بھائی سے اُس ظالم مالک کی شکایت کی۔

''تم بدھو!''، دوسرا بھائی پیکو بولا۔ ''میں جاتا ہوں اور اُس کو دیکھتا ہوں! ماں مجھے کیک بنا دو۔''

اب پیکو سیدھا اُسی گاؤں میں اسی کسان کے گھر جا پہنچا اور مالک نے اس شرط پر اُسے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا کہ جو کوئی ان میں سے پہلے ناراض ہوگا اُس کی ناک کاٹ دی جائے گی۔

مالک نے تین دن پیکو سے خوب کام لیا۔ لیکن نہ پہلے دن اور نہ ہی دوسرے اور پھر تیسرے دن اُس نے پیکو کو کھانا کھانے کے لیے بلایا۔

''پیکو کیا تم ناراض نہیں ہو؟'' مالک نے تیسرے روز شام کے وقت پوچھا۔

'' تم تو ہو ہی ایسے کہ شیطان بھی تم سے ناراض ہو جائے۔'' پیکو نے کہا۔'' بھوک سے میرا پیٹ میری پسلیوں سے جا لگا ہے۔'' ابھی اُس نے اتنا ہی کہا تھا کہ مالک نے اپنا تیز دھار چاقو نکالا اور پیکو کی ناک کاٹ دی۔ پیکو درد سے کراہتا، بھاگتا دوڑتا، کٹی ناک کے ساتھ واپس گھر پہنچا اور کٹی ناک والے اپنے بڑے بھائی سے بولا کہ اُس گھر میں ظالم مالک عجیب تماشا کرتا ہے۔ اس شیطان کی اپنی ناک کٹنی چاہیئے۔

آدم جو سب سے چھوٹا تھا وہ یہ سب کچھ دیکھ اور سُن رہا تھا۔ گھر والے اُسے ہمیشہ سُست گردانتے اور بس گاؤں میں آوارہ پھرنے یا پھر گھر کے کونے میں چمنی کے پاس بیٹھا رہنے والے کے طور پر جانتے تھے۔

''کیا اُس شیطان مالک کی کوئی ناک ہے؟'' آدم جو چمنی کے پاس بیٹھا ہوا تھا ذرا اونچی آواز میں بولا۔ ''تم تو محض بدھو ہو!، میں جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ اُس کی ناک کیسے درست کرتا ہوں۔''

آدم نے بھی تھیلے میں کیک بھرے اور پھر گھر سے نکل، چلتا ہوا سیدھا اسی گاؤں میں، اُسی مالک کے ہاں جا پہنچا جس نے اُس کے دونوں بھائیوں کی ناک کاٹ دی تھی۔ مالک نے آدم کو بھی اُسی شرط پر اپنے ہاں ملازم رکھ لیا جس پر اُس نے پہلے دو نوجوانوں کو ملازم رکھا تھا۔ یعنی مالک اور آدم میں سے جو کوئی پہلے ناراض ہو گا اُس کی ناک کاٹ دی جائے گی۔ لیکن آدم اس کے لیے پہلے ہی سوچ چکا تھا کہ ایسے مرحلے پر اُسے کیا کرنا اور کس طرح بچنا ہے۔

دن بھر کام کرنے کے باوجود جب آدم کے مالک نے اسے کھانے کے لیے نہ بُلایا تو آدم نے چپکے سے گھر میں رکھی بوریوں میں سے ساری گندم باہر پھینک دی۔ مالک کو جب ایک بوری دکھائی نہ دی تو اُس نے سوچا کی ہو نہ ہو یہ آدم ہی کی شرارت ہو۔ چنانچہ وہ آدم کی طرف گیا اور ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ آدم نے اُس سے پوچھا، ''مالک کیا تم ناراض ہو؟''

''میں کیوں ناراض ہوں گا۔'' مالک نے کہا۔ ایسا ہی بار بار ہوا۔ آدم کچھ نہ کچھ ایسا کر دیتا کہ مالک اندر ہی اندر سیخ پا ہو جاتا لیکن ظاہر یوں کرتا کہ ناراض ہونا اُس کی خُو میں ہی نہیں۔ اُسے ہر وقت اپنی ناک کے کٹ جانے کا خدشہ رہتا تھا۔

ایک دن مالک اور اُس کی بیوی دونوں کو کسی اہم کام کی غرض سے گھر سے باہر جانا پڑا۔ انہوں نے آدم کو حکم دیا کہ وہ اُن کی واپسی پر اُس بھیڑ کو ذبح کر دے جو اس کے طویلہ میں داخل ہوتے وقت اُس کی طرف دیکھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھیڑ کو ذبح کرنے کے بعد اُس کی کھال اتارے اور اچھا مسالا ڈال کر اسے دیگ میں پکائے۔

آدم بڑا شور مچاتا اور ہُو ہا کرتا ہوا جونہی طویلے کا پھاٹک کھول کر اندر داخل ہوا سبھی بھیڑوں نے یکدم اپنے اپنے منہ اُٹھا کر اُسے دیکھنا شروع کر دیا۔ اور نتیجتاً آدم نے اُن سب کو ذبح کر دیا۔ اور ان میں سے صرف ایک کی کھال اتار کر اس کے گوشت کو مسالے لگانے کی بجائے اُسے پرسلے نامی کتے کے آگے پھینک دیا۔

جب مالک اور اُس کی بیوی گھر واپس پہنچے تو انہوں نے آدم سے پوچھا کہ کیا اُس نے سب کچھ اُن کے کہنے کے مطابق کر دیا ہے؟ ''میں نے بھیڑ کو ذبح کر کے اُس کی کھال اتار کر گوشت پرسلے کے آگے ڈال دیا ہے۔'' آدم نے جواب دیا اور پوچھا، ''مالک کیا تم ناراض ہو؟''

''میں کیوں ناراض ہوں گا؟'' مالک نے جواب دیا ۔ وہ تو بس اپنی ناک محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

اب کرسمس کی ٹھنڈی رات مالک اور اُس کی بیوی دونوں کو گرجا گھر جانا تھا۔ رات اندھیری تھی اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ''تم گرجے تک راستے میں ہمارے لیے روشنی کا بندوبست کرو!'' مالک نے آدم کو حکم دیا۔

''تم آگے بڑھو! چلو، آگے چلو! میں روشنی کرتا ہوں۔'' آدم نے کہا ۔ اُس نے جلدی سے دھکتی ہوئی آگ کا ایک گولہ لیا اور گھر کی چھت کو آگ لگا دی جو آناً فاناً یوں بھڑک اٹھی کہ اُس کے شعلوں کی روشنی میں گرجا گھر کے بڑے دروازے کی سیڑھیاں تک دکھائی دینے لگیں۔ مالک اپنے دانت پیس رہا تھا کہ آدم نے پوچھا، ''مالک، کیا تم ناراض ہو؟''

''میں کیوں ناراض ہوں گا؟'' مالک کا وہی پہلے والا جواب تھا۔ وہ اپنی ناک کو پکڑے ہوئے تھا جو اُسے اپنے گھر سے زیادہ پیاری تھی۔ لیکن وہ ایک گھر کے بغیر کیا کر سکتا تھا؟ اب تو کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

مالک اور مالکن نے تجویز پیش کی وہ رات دریا کے کنارے گھاس پر سوئیں گے اور اگلی صبح دیکھیں گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے آدم کو بھی ساتھ لیا اور دریا کی جانب چل دیئے۔ دراصل اُن دونوں نے منصوبہ بنایا تھا کہ جب آدم سو جائے گا تو وہ اُسے اٹھا کر دریا میں پھینک دیں گے اور یوں اُس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پا لیں گے۔ آدم اُن کے منصوبے کی بُو سونگھ چکا تھا۔

انہوں نے دریا کے کنارے گھاس پر اپنی چادریں بچھائیں اور لیٹ کر سو گئے۔ لیکن آدم جاگ رہا تھا۔ وہ دریا کے کنارے کے نزدیک والی جانب نہیں لیٹا تھا۔ وہ رات

کے ایک پہر اٹھا اور مالک کی بیوی جو گہری نیند سو رہی تھے اُسے دریا میں پھینک دیا۔ جب مالک آدم کو دریا میں پھینکنے کے لیے اُٹھا تو اس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی جا چکی تھی۔ اور آدم بڑے مزے سے بیٹھا ہوا تھا۔ مالک نے رونا شروع کر دیا جس پر آدم نے پوچھا، ''مالک کیا تم ناراض ہو؟''

''اس سب کچھ کے بعد کیا شیطان بھی ناراض نہیں ہوگا؟ تم نے میرا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا!'' یہ سنتے ہی آدم نے اپنا تیز دھار چاقو نکالا اور مالک کی ناک کاٹ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ بھاگتا رہا، بھاگتا رہا، یہاں تک کہ واپس اپنے گاؤں اپنے گھر پہنچ گیا۔ اُس کے بھائی اسے بڑی بڑی آنکھوں سے حیرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

''تم عقلمندو! تم یوں حیران کیوں ہو؟ دیکھو میں اپنی ناک بچا لایا ہوں۔ آدم نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

ختم شد